ملکِ عنبر

شیخ چاند

ملک عنبر

(یعنی)

سلطنت نظام شاہیہ احمد نگر کے وزیر اور سپہ سالار وکیل السلطنت
مملکت مدار، ملک عنبر کی حیات، ملک گیری و حکمرانی کے مفصل سوانح

(از)

شیخ چاند ایم اے، ایل ایل، بی، ریسرچ سکالر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ

مع مقدمہ

نوشتہ عالیجناب مولوی سید غلام یزدانی ایم اے، ناظم محکمہ آثار قدیمہ ممالک
محروسہ سرکار عالی

(و پیش لفظ)

از عالیجناب مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ
جامعہ عثمانیہ

(مطبوعہ عہد آفریں و مطبع اقبال اعظم حیدرآباد دکن)

ملک عنبر رح



پر گر کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلام نغز و لے نا شنیدہ ہوں

استادِ محترم مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ

صدر شعبۂ اردو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

و

معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

کے نام

اس ادنیٰ طالب علمانہ مشق کو جو بہت دیر میں منظر پر آ رہی ہے

معنون کیا جاتا ہے

شیخ چاند

پیش لفظ

شیخ چاند صاحب کی کتاب "ملک عنبر" کو میں نے اس نظر سے دیکھا کہ یہ اسی سوتی بستی کی آواز ہے جسے کئی سو برس پہلے ملک عنبر نے آباد کیا تھا! جہاں تک تاریخی شواہد سے پتہ چلا، شمالی دکن کی آبادی، رونق اور بربادی کا یہ دوسرا دور تھا جو عہد عنبری سے انتساب رکھتا ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے ہونہار مصنف کی دلچسپ و جوش انگیز کتاب ایک تیسرے اور سب سے بہتر "دور اقبال و بیداری" کا سر آغاز ثابت ہو۔

لائق مولف نے جس محنت اور قابلیت سے ملک عنبر کے پریشان و منتشر حالات کو جمع کیا، وہ ان کے علمی ذوق کی دلیل ہے اور جس محبت اور خوبی سے اردو میں تحریر کیا، وہ ان کی حب وطن اور ادبی شوق پر گواہ ہے۔

بے شبہ یہ پروفیسر غلام، دکن کا بزرگ ترین سردار اور یگانۂ روزگار سوانح نگار رہا ہے اور یہ افراطِ عقیدت نہیں بلکہ عین خوش نمائی ہے کہ نوجوان سوانح نگار رفتہ تاریخ میں سپاسنامے کا رنگ بھر رہا ہے۔

اس طرزِ تحریر سے یقین ہے کہ ان کی کتاب تمام ناظرین کیلئے زیادہ پُر لطف و دلفریب ہو جائے گی اور خواص اہلِ تنقید سے بھی خلعتِ تحسین و قبول حاصل کرے گی ۔ فقط

حیدرآباد دکن
۲۴ ؍ صفر ۱۳۵۵ھ

خاکسار
سید ہاشمی فریدآبادی

فہرستِ ابواب

دیباچہ

دکن کی تاریخ کے مطالعہ کے بعد جس شخصیت نے میرے دل پر سب سے زیادہ گہرے نقوش چھوڑے ہیں وہ ملک عنبر ہے تاریخ میں اس کے حالات بہت ناکافی اور تشنہ ہیں، میں نے اپنے شوق کا پیاس بجھانے کی تلاش کی۔ انگریزی اردو فارسی اور عربی کی قلمی اور مطبوعہ تاریخیں دیکھیں، ملک عنبر کی عمارتوں کی زیارتیں کیں لوگوں سے روایتیں پوچھیں لیکن کہیں پیاس نہیں بجھی۔

از ہر کہ سخن کردم گفتند کہ اینجا نیست
از ہر کہ نشان جستم گفتند کہ پیدا نیست

حقیقت یہ ہے کہ ملک عنبر ان ہستیوں میں ہے جن کے نام اور کام کو متعصب مصنفین نے تعصب، جانبداری، یک طرفہ معلومات، مصلحت اور بدنامی کی بنا پر نہایت بے دردی سے لوح تاریخ سے مٹانے کی کوشش کی ہے جس زمانہ میں ملک عنبر

گزرا ہے اس زمانہ میں ایرانیوں اور فارسی کے عالموں کے دست پاک میں تاریخ و تذکرہ اور سوانح و ترجمہ کا قلم تھا ملک عنبر کی طبیعت میں عربیت بچپن ہی سے رچ گئی تھی اس لئے ایرانیوں اور فارسی عالموں سے اس کو زیادہ دلچسپی نہ تھی اور غالباً اس نے ان کی طرف کم توجہ کی! یہی وجہ ہے کہ ان کا قلم بھی اس کے حالات لکھنے کیلئے نہ اٹھ سکا اس زمانہ میں علم و فن کے مرکز، اکبری دربار، بیجاپور اور گولکنڈہ وغیرہ تھے، یہ سب ملک عنبر سے برسر پرخاش تھے، بھلا پھر کسی اہل قلم کی کیا شامت آئی تھی کہ وہ اپنے سرپرست حکمران کی نفع بخش مدح سرائی سے درگزر کر کے ملک عنبر کے حالات سے تاریخ کو زینت دیتا، دوسرے کے کارناموں کو اس کے مقابلہ میں ماند کرتا اور جان جوکھوں میں پڑتا، معدودے چند کے علاوہ تمام مورخین نے دانستہ اور مصلحتاً یہ کوشش کی ہے کہ ملک عنبر کا نام اور کام تاریخ میں نمایاں اور ممتاز جگہ نہ پائے۔ اگر کہیں اس کے ذکر سے گریز ممکن نہ پڑا تو انھوں نے بڑی حد تک اس کے کارناموں کو اس انداز اور رنگ میں پیش کیا کہ پڑھنے والے کو اس کی اہمیت اور شخصیت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔

یہ سنتے تم جو غیروں کی زبانی
بہت دلچسپ تھی میری کہانی

البتہ اس زمانہ کے بعض عرب اہل قلم نے چند ایسی چیزیں چھوڑی ہیں جن سے وہ حقیقت بے نقاب ہوتی ہے جو دوسرے مورخین کے قلم سے مسخ و مجروح ہوگئی ہے اور ملک عنبر کے صحیح حالات روشنی میں آتے ہیں اس زمانہ کے ایک مشہور عرب مورخ شلی حضرمی

نے اپنی مشہور کتاب عقد الجواہر والدرر میں ملک عنبر کے حالات لکھے ہیں، اور ان کی کتاب کی مدد سے ایک دوسرے مورخ محمد امین محبی نے بھی ملک عنبر کے حالات لکھے ہیں۔ عرب شعراء کی ایک کثیر جماعت اس کے دربار میں تھی ان کی ادبی پیداوار کا کچھ حال معلوم نہیں ان کے علاوہ ہندوستان اور دکن کے مورخین نے ملک عنبر کے متعلق کچھ لکھا ہے لیکن ان کی تشنہ بیانی کی وجہ سے بہت کم مواد ملتا ہے۔ انتہائی تحقیق و تدقیق اور تلاش و جستجو کے بعد بھی مایوسی ہوتی ہے۔ ہند کے بعض فارسی گو شعراء نے بھی تلمیحاً ملک عنبر کا ذکر کیا ہے چنانچہ حسان الہند غلام علی آزاد کے دو مشہور شعر ہیں

خط رخسار میں خال مشکیں درمیاں دارد
ملک عنبر بحصن دولت آباد جست پنداری

خط مشکیں خال رخسار تیرا بر سر رسید
فوج ہندوستان بہ تسخیر ملک عنبر رسید

لیکن یہ ایسے اشارے ہیں جن سے تاریخ میں بہت کم مدد مل سکتی ہے۔ ملک عنبر کے کو گزرے ہوئے تین صدیوں سے زیادہ عرصہ گزرا ہے۔ اس کے حالات پر رفتہ رفتہ حجابات پڑ گئے ہیں۔ راقم الحروف نے امتحانات کی مصروفیت اور جامعہ عثمانیہ کے ادارتی اور انتظامی فرائض کے باوجود تھوڑا بہت نکالا اور اپنی ادھوری تلاش اور ناقص جستجو کچھ مواد حاصل کیا جس کو اس چھوٹی سی کتاب کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے میں نے یہ کوشش کی ہے ملک عنبر کے متعلق جس قدر مواد مل سکے وہ سب یکجا جمع ہو جائے

لیکن اس کے بہت سے حالات ابھی روشنی میں آنے باقی ہیں اور ابھی ضرورت ہے کہ باضابطہ علمی اور اصولی طریقوں پر تحقیق تدقیق سے کام لیا جائے۔

دنیاست فسانہ پارہ ما گفتیم
واں پارہ کہ ماند دیگرے گوید

ممکن ہے کہ ناظرین کرام اس کتاب کی ترتیب اور تبویب میں کوئی خاص اصول اور جدت نہ پائیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اس کی نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا تین چار سال قبل جو مسودہ لکھا تھا وہی مطبع کے حوالہ کر دیا میں چاہتا تھا کہ اس کو زیادہ محنت اور فرصت سے مرتب کروں لیکن دوستوں کے اصرار اور خصوصاً ہمارے شفیق بزرگ حاجی قاضی تمیز الدین احمد صاحب وکیل پٹن کی دھمکی نے مجبور کر دیا کہ جس طرح ممکن ہو اس کو معرض طبع میں لایا جائے اگر اس کی طبع ثانی کی نوبت آئے تو اصولی ترتیب اور موزوں زبان و بیان سے مکمل کرنے کی کوشش کرونگا۔

میں مخدومی مولوی سید غلام یزدانی صاحب ایم۔ اے ناظم آثار قدیمہ کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس بے مایہ کتاب پر از راہ مہربانی مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارہ فرمائی مولوی تمیز الدین احمد صاحب وکیل کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کا ترجمہ مرہٹی زبان میں ایک مستند انشا پرداز سے کروا دیا ہے۔ مخدومی وستاذی مولوی عبدالحق صاحب قبلہ کا زیر منت احسان ہوں کہ جن کی محبت شفقت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر میں نے کتاب ان

کے نام معنون کرنے کی اجازت حاصل کی ہے۔ اس کتاب میں ملک عنبر کی تصویر کا عکس
ہے اصل تصویر بھاؤ کے میوزیم میں ہے یہ ملک عنبر کی وفات کے کچھ ہی بعد کی معلوم ہوتی ہے،
اس کے بالائی حاشیہ پر "ملک عنبر" لکھا ہوا ہے۔ میں نے میوزیم کے نگران کی اجازت سے اس
کا عکس حاصل کیا ہے۔ کتاب چھپ چکی تھی کہ مجھے ملک عنبر کی ایک اور تصویر کا علم ہوا
جو فرانس میں چھپی ہے اور یہ عالم شباب کی ہے۔ اگر طبع ثانی کی نوبت آئے تو اس کو
بھی شائع کروں گا۔ موجودہ تصویر میں ملک عنبر کے خط و خال درست ہیں
لیکن بلاک ساز نے صورت کی تراش میں اس کی سیاہ فامی دور کر دی
ہے۔

شیخ چاند

پیٹن (اورنگ آباد دکن)

مقدمہ

شیخ چاند صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی عثمانیہ یونیورسٹی کے ہونہار طالب علم اور اورنگ آباد کے رہنے والے ہیں۔ ملک عنبر کے حالات لکھنے کیلئے اس وجہ سے وہ ہر طرح موزوں ہیں۔ کتاب کے لکھنے میں انہوں نے بڑی محنت کی ہے اور ایسا مفید رسالہ جمع کیا ہے کہ بالغ نظر بھی ان کی سعی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چند فروگزاشتیں یا کمزوریاں اگر نظر آئیں بھی تو وہ ایسی ہیں کہ کتاب کو شیخ چاند صاحب کی اولین مشق خیال کرنے کے بعد ان پر حرف نہیں گیراں بیانہ ہوگا اور طبع ثانی کے موقع پر وہ ضرور رفع ہو جائینگی۔

مغل بادشاہوں کے تاریخ نویسوں نے ملک عنبر کو اکثر تبدیل ناموں سے یاد کیا ہے لیکن اس کی وفات کے بعد وہ اسکی شجاعت اور حسن تدبیر کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ میر محمد ہادی توزک جہانگیری کے تکملے میں لکھتا ہے۔

ب

"دریں ولا بعرض رسید کہ عنبر حبشی در سنِ ہشتاد سالگی باجلِ طبعی گذشت۔ عنبر در فنِ سپاہگری و سرداری و ضوابطِ تدبیر بے بدیل و نظیر بود۔ ثبت و باشش آن ملک را چنانچہ باید ضبط کردہ بود۔ تا آخر عمر روزگار بعزت بسر برد"۔

شیخ چاند صاحب نے ملکِ عنبر کی قابلیت پر مختلف پہلو سے بحث
کی ہے۔ یہاں تک کہ بحری قوت بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔
اور ایک جگہ لکھا ہے کہ ترکوں نے اس کے جہازوں کو سواحل عرب سے
لوٹ لیا۔ اس زمانہ میں مغل سلاطین اور نیز دکن کے بادشاہ اکثر سوداگروں
کے جہاز کرایہ پر لے لیا کرتے تھے۔ اور شاید اسی قسم کی کشتیاں ہوں گی جن
کو ترکوں نے لوٹا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ سلیمان اول کے زمانہ میں (۱۵۲۶ء
۹۴۱ھ) ترکوں کو بھی پرتگیزوں کے دیکھا دیکھی ہندوستان میں قدم
جمانے کا خیال تھا۔ اور ان کے بیڑے اس غرض سے کئی مرتبہ ہندوستان
کے ساحلوں پر آئے لیکن پرتگیزوں کو چونکہ شاہانِ گجرات کی تائید
حاصل تھی اس لئے ان کی سعی بے نیل مرام رہی۔ معلوم ہوتا ہے ملک عنبر
کے سامان کی کشتیاں بھی ترکوں نے اسی مدد بحری کے جواب میں
لوٹی ہوں جو ان کے ساتھ ہند کے سواحل پر پرتگیزوں کے مقابلے میں والیانِ ہند
کی جانب سے ہوتی۔ بہرحال یہ مسئلہ مزید تحقیق کا محتاج ہے۔

ملک عنبر نے کھڑکی کو بیشک بڑی رونق دی ہوگی لیکن جہانگیر کے عہد میں شہر تین دن تک اس بُری طرح مسمار ہوا کہ اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ خود تورک جہانگیری میں درج ہے۔

"سران لشکر ظفر اثر باسپاہ کینہ خواہ سہ روز در بلدہ کھڑکی توقف نمودہ شہر را کہ در مدت بیست سال تعمیر یافتہ بنوع خراب ساختند کہ در بیست سال دیگر معلوم نیست کہ برونق اصلی باز آید۔"

ملک عنبر کے زمانہ کی جو عمارات اب موجود ہیں ان میں اس کا مقبرہ سب میں بہتر ہے۔ اس میں فن تعمیر کے لحاظ سے کوئی لطافت یا اہمیت ہو یا نہ ہو لیکن قوت اور سنگینی ضرور نمایاں ہے۔ فنون لطیفہ کے لحاظ سے حبشیوں کا کارنامہ ذرا پھیکا ہے۔ لیکن ان کی وفاداری شجاعت اور کاروانی کی مثالیں تاریخ میں جابجا موجود ہیں۔ اور اب بھی جن کو بلاد اسلامیہ اور افریقہ میں سفر کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ حبشی غلام کیسے امین اور جان نثار ہوتے ہیں۔

ملک عنبر کے حالات مختلف کتابوں میں منتشر تھے۔ اس وجہ سے اس مشہور سپہ سالار اور مدبر کی قابلیت کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا شیخ چاند صاحب کا تاریخ دوست اصحاب پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ان کو بڑی تلاش سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور ایسے ابواب قائم کر دئے ہیں کہ نتیجہ نکالنے میں

سہولت ہوگئی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کو مبارک ہو کہ اس کے ایک
نونہال نے یہ مفید کام کیا فقط

غلام یزدانی

حیدرآباد دکن
۴ جولائی سنہ ۳۱ع

پہلا باب

پیدائش اور بچپن

دسویں صدی ہجری کے نصف اول کے اختتام پر سرزمین حبشہ رزم گاہ بنی ہوئی تھی مسلمانوں کے اقتدار وسطوت کو توڑنے کے لئے مسیحی اقوام آرمینی و پرتگالی جان توڑ کوشش کر رہی تھیں۔ یہ دونوں اپنی متفقہ قوت سے مسلمانوں کے خلاف بر سرپیکار تھیں مسلمان کافی شکست اٹھا چکے تھے اور دونوں کی متواتر و پیہم جدوجہد نے اُن کو مضمحل و پست بنا دیا تھا۔ غرض ملک ابی سینا ایک سخت اور طویل جنگ کے صدموں اور صعوبتوں سے ہلکان تھا کہ شہر الحرّہ کے ایک حبشی قبیلہ مایہ میں ایک لڑکے نے ۹۵۵ھ میں جنم لیا۔ یہ قبیلہ انتہائی بے مایہ اور وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس قبیلہ میں اس نومولود

کا نام شنبو رکھا گیا جو ہندوستانی لفظ شنبھو کا مرادف ہے۔

شنبتو کے عہد طفلی کی تفصیلات میں پڑنے کی بجائے یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ اس کا بچپن ایک وحشی قبیلہ میں گزرا لازمی طور پر وہ تمام حالات اور واقعات جو ایک حبشی بچے پر گزرنے چاہئیں اس پر ضرور گزرے ہونگے [1]

---

[1] یہ باب انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) بیان الشعرا شبلی حضرمی اور خلاصۃ الاثر محبی سے ماخوذ ہے۔

۳

دوسرا باب

مکہ کا قیام اور تعلیم و تربیت

شبنو طفلی کی خوشگوار منزل طے کرنے ہی پاتا ہے کہ واقعات پلٹا کھاتے ہیں اور اس کے ماں باپ فلاکت و افلاس سے عاجز آکر اس کو بیچ دیتے ہیں۔ بردہ فروش شبنو کو سرزمین حبشہ سے حجاز لاتے ہیں۔ اور مکہ کے قاضی القضاۃ حسین کے ہاتھوں اس حبشی بچہ کو بیچ دیتے ہیں۔ قاضی حسین اپنی اولاد کی طرح شبنو کی تربیت کرتے ہیں، تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ حبشی ماں باپ کا وہ بچہ جس نے نادار اور مفلس وحشیوں میں اپنا عہد طفلی بسر کیا تھا عرب کے متمدن شہر کا باشندہ اور اسلامی علوم سے بہرہ مند شائستہ انسان ہو جاتا ہے۔

چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا، حبش سے تجھ کو حجاز میں لایا
ہوئی اس سے ترے غمکدے کی آبادی، تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

قاضی حسین نے اپنے اس حبشی غلام کو جس کی وہ تعلیم و تربیت کر رہے

شبنو کے نام سے پکارنا غالباً گوارا نہیں کیا اور اس لئے عنبر نام رکھا۔ عرب عموماً اپنے غلاموں کو اس قبیل کے نام دے دیتے تھے۔[1]

---

[1] یہ باب شبلی اور رجبی کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

۵

تیسرا باب

احمد نگر کا قیام

عنبر کی تربیت کے پایۂ اختتام کو پہنچتے ہی اس کے آقا اور زبردست محسن قاضی حسین کا انتقال ہو گیا ہے اس کی تقدیر نے ایک اور نیرنگی دکھائی اور اس کو پھر نخاس (بازار بردہ فروشی) میں کھینچ لائی۔ علامہ شبلی حضرمی اور محمد امین محبی کا بیان ہے کہ کسی تاجر نے اس کو خریدا اور حجاز سے ہندوستان لایا۔ ہند کی سلطنت کے کسی امیر نے جس کو عربی میں شمس خان و چنگیز خان، لکھا جاتا ہے۔ خرید لیا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ عنبر چنگیز خاں کا غلام تھا چنگیز خاں نظام الملک بحری مرتضیٰ نظام شاہ (۹۷۲ تا ۹۹۶) والی احمد نگر کے امراء کبار سے تھا۔ اس کا اصل نام خواجہ میرک میر اصفہانی تھا اور چنگیز خاں خطاب تھا۔ وہ ریاست احمد نگر کا بڑا ذی اقتدار سپہ سالار اور عہدہ دار تھا۔ اس کی بدولت عماد شاہیوں کی ریاست برار ۹۸۲ھ میں نظام شاہیوں کی

قلمرو میں داخل ہوگئی تھی۔ احمد نگر کی سلطنت کے مہمات مالی وملکی میں اس نے بڑی قابل قدر اور یادگار خدمتیں انجام دی تھیں خصوصاً مالی اصلاحات میں اس نے انتہائی تدبر سے کام لیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس کا نام احمد نگر کے وزرا و امرا میں بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔ فرشتہ اس کی نسبت لکھتا ہے

"چنگیز خاں نے جو اصابت رائے سے متصف تھا وکالت کی خدمت سے بخوبی عہدہ برآ ہو کر بلدہ احمد نگر کو رشک ارم بنا دیا تھا۔"

محتاج بود ملک بہ پیرایہ چنیں ٭ آخر ہراو ملک رواکرد روزگار

جس زمانہ میں عنبر چنگیز خاں کی غلامی میں آیا۔ اس زمانہ میں حبشی غلاموں کی بڑی قدر تھی۔ سلاطین بہمنیہ کے عہد ہی میں ہزارہا حبشی غلام تھے ان کے بعد عادل شاہیوں اور نظام شاہیوں کی ریاستوں میں بھی کثرت سے ایسے حبشی غلام تھے جو اپنی خصوصیات کی بنا پر بلند اور ممتاز عہدوں پر پہنچے تھے۔ احمد نگر میں خصوصاً بعض حبشی بڑے مقتدر اور ذی اثر فوجی عہدہ دار تھے۔ یہاں ان کا نام بنام ذکر کرنے کی ضرورت نہیں صرف یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ اپنی خصوصیات کی بدولت وہ بڑی قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ انہی حالات کے تحت عنبر بھی بک کر چنگیز خاں کے غلاموں کے زمرہ میں داخل ہوا تھا۔

عنبر کی حیثیت جاہل اور غیر مہذب غلاموں کی سی نہ تھی وہ تربیت یافتہ اور شائستہ تھا۔ اس لئے چنگیز خاں نے اس پر خاص التفات کی نظر رکھی ہوگی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب اس نے عنبر میں جنگ و جدل کی خدا داد قابلیت اور حرب و قتل کا فطری رجحان دیکھا تو اس کو فوجی تعلیم دلانی شروع کی۔ چند ہی دنوں میں وہ فنون حرب وسپہ گری کا ماہر بن گیا۔ حجاز سے صاحب القلم ہو کر آیا تھا۔ ہندوستان پہنچ کر جامع السیف والقلم ہوگیا۔

عنبر کی غلامی کا یہ حصہ چنگیز خاں کے ہاں ایسے زمانہ میں گزرا جس میں کئی عظیم الشان واقعات رونما ہو رہے تھے۔ اس دور میں چنگیز خاں ایک ممتاز، مقتدر اور ذی اثر شخصیت تھی، سلطنت کے جزوکل معاملات میں اس کا ہاتھ تھا۔ عنبر کو اس کے تدبر و فراست اور سپہ سالاری و ملک گیری کے عینی مشاہدہ اور بغور مطالعہ کا خوب موقع ملا۔

عنبر کی قسمت میں یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ کہیں منضبط اور مستقل سکونت کرے۔ اب تک اس کا قیام ہر جگہ عارضی اور غیر مستقل رہا ہے۔ اس کو زندگی کے مختلف طریقوں سے گزرنا اور مختلف واقعات وحالات سے دوچار ہونا پڑا مختصر یہ کہ اسکی تقدیر ایک اور گردش کا پیام لاتی ہے ۹۸۳ھ میں چنگیز خاں شہید ہو جاتا ہے۔ چنگیز خاں کی شہادت کا واقعہ بہت ہی

دردناک ہے۔ اس کے المناک و دلدوز ہونے کے قطع نظر اس کا ذکر اس
لیئے بھی ضروری ہے کہ اس سے عنبر کی آیندہ زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔
چنگیز خاں کی شہرت اور ہر دلعزیزی نے اس کے چند دشمن اور
رقیب بھی پیدا کر دیے تھے جن میں سلطنت کے بعض ممتاز عہدہ دار بھی
تھے انہوں نے موقع بموقع بادشاہ کے حضور میں اس کی نسبت فرضی
نمک حرامی اور بدنیتی کے قصے سنانے شروع کئے۔ بادشاہ نے اس کو
ہر وقت بہتان اور کذب و افترا پر محمول کیا۔ قلعہ فتح آباد (دھارور)
کی تسخیر کے بعد ایک روز دشمنوں نے موقع پایا اور عین اس وقت جب
کہ بادشاہ کی محفل بادہ نوشی گرم تھی یہی وحشت آمیز باتیں سنانی شروع
کیں۔ بادشاہ نے پھر اس کو کینے اور حسد پر محمول کیا۔ لیکن رقیبوں نے
بعض ایسے لوگوں کو ہموار کر کے اپنی تائید کرائی جن پر بادشاہ کو پورا
بھروسہ ہو سکتا تھا اور بمنت وزاری یہ عرض کی "چنگیز خاں تمہارا سلطنت
کو ہاتھ میں لے کر اپنے نام کا خطبہ پڑھنا چاہتا ہے نصف لشکر اس کا
پرورش یافتہ ہے۔ اس کا ارادہ بوجہ احسن پورا ہو سکتا ہے اور یہی
وجہ ہے کہ وہ حضور والا کو سحر الیعوا لئے پھرتا ہے" بادشاہ نے دوسرے
لوگوں کی تائید پر چنگیز خاں کو طلب کیا اور کہا "ہم اس سفر سے
نہایت دلگیر ہوئے ہیں چاہتے ہیں کہ احمد نگر کی طرف مع الخیر والسعادت

ہوئیں" چنگیز خاں دشمنوں کی دروغ گوییوں اور حسد و کینہ سے واقف نہ
تھا۔ اس نے عرض کی "چند روز ہوئے کہ حضرت اس مملکت کو قبضۂ اقتدار
میں لائے ہیں۔ لایق یہ ہے کہ پانچ چھ ماہ اس حدود میں استقامت
فرمائیں تو رعیت دل اس سلطنت کے خاندان پر رکھے اس کے بعد دولت
خواہ کو مامور فرمائیں تاکہ وہ چندے اس ملک میں رہ کر نظم و نسق کرے
اور بعدہٗ ملازمت میں حاضر ہو" بادشاہ کو اس جواب سے یقین ہو گیا،
وہ سخت ناراض ہوا۔ چنگیز خاں نے جب غیظ و غضب کے آثار دیکھے تو بیماری
کا بہانہ کر کے دیوان عام میں جانا چھوڑ دیا بادشاہ کو اور بھی زیادہ شبہ ہو گیا۔
ایک حکیم کو زہر آلود شربت کے ساتھ معالجہ کو بھیجا۔ چنگیز خاں نے شربت
پینے سے انکار کیا اور آخر میں بپاس وفاداری پی گیا۔ عالت نزع میں بادشاہ
کو لکھا "فلاں دولت خواہ میرک و پیر کہ جس کا آفتاب عمر ساٹھ برج طے کر کے
بروج ستر میں تھا آستانہ پر سر رکھ کر عرض کرتا ہے جو شربت آب حیات میں
ملا کر اس دولت خواہ کے واسطے مرحمت فرمایا تھا، فدوی نے بذوق و شوق
تمام پیا، نقد وفا داخلاص صندوق سینہ میں رکھ اب نہاں خانۂ قبر میں کہ اول منزل
ہے جاتا ہے۔ وہاں سوائے اعمال کے کوئی ہمدم و مونس نہیں، جب تک
میری خاک ہے بادشاہ کو بقا ہو۔ امیدوار ہوں کہ بندہ کو بندگان دولت
خواہ سے شمار کریں۔ جو دستور العمل بندہ نے اپنے ہاتھ سے لکھ بھیجا ہے اس

پر عمل فرمائیں۔ اور اس خیر خواہ کا کالبد خاکی کر بلائے معلی بھیجیں۔ سید مرتضیٰ
شاہ قلی، صلابت خان، میرزا محمد تقی نظیری، امین الملک نیشاپوری، قاضی بیگ
طہرانی کو جملہ کار آمدنی شمار کر کے ان کے حال سے غافل نہ ہوں۔ اور جس قدر
غریب کہ فدوی کی سرکار میں ہیں انہیں اپنے سلحداروں میں داخل فرمائیں" یہ
عرضداشت اور دستور العمل سید حسین کی صحابت سے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ اور
پلنگ پر تکیہ کیا۔ دوسرے دن صبح صادق کے وقت شہور ۹۸۲ھ میں اس کا
طایر روح پرواز کر گیا[1]

---

[1] فرشتہ

چوتھا باب

گولکنڈے اور بیجاپور کا قیام

جب عنبر کے آقا نے اس طرح شہادت پائی تو اس کو سخت جانکاہ صدمہ پہنچا۔ وہ احمد نگر سے دل برداشتہ ہوا یا اس کو کہیں ٹھکانا نظر نہ آیا تو خود اس نے احمد نگر کو خیرباد کہا یا ایک غلام کی حیثیت سے بک گیا۔ بہرحال اسی زمانہ کے لگ بھگ وہ گولکنڈے میں قطب شاہ کے لشکر میں ملازم ہوگیا۔ یہاں بھی اس کو قرار و قیام نصیب نہ ہوسکا۔ یہاں چونکہ ایک عرصہ سے انقلاب برپا تھا، اس لئے عنبر گولکنڈے سے نکل کر بیجاپور پہنچا۱؎

بیجاپور میں اس وقت عادل شاہی سلسلہ کا مشہور فرمانروا ابراہیم جگت گرو (۹۸۸ تا ۱۰۳۷ھ) سریر آرا تھا سلطان ابراہیم اکبر اعظم کا ہم عصر تھا۔ اس کا دربار فنون لطیفہ خصوصاً موسیقی و شاعری کا گہوارہ تھا۔ مختلف علوم و فنون کے کاملین و ماہرین سے شہر بیجاپور پٹا پڑا تھا۔ علم و فن اور ہنر و کمال کے ساتھ سپہ گری و حرب جیسے فنون کو بھی وہاں خوب عروج نصیب تھا۔ جہاں تک راگ رنگ، رقص و سرود اور دلچسپیوں کا

۱؎ تذکرۃ الملوک

تعلق ہے اس کا دربار اندرو جمشید کی محفل تھی تو علم و حکمت کے اعتبار سے ہارون و مامون اور اکبر و بکرماجیت کا دربار تھا۔ اور شجاعت و دلیری کے اعتبار سے ریاست بیجاپور بے عدیل و مثل سورماؤں سے بھرپور تھی۔

مختصر یہ کہ عنبر بیجاپور میں اس وقت پہنچا، جب اس ریاست کا آفتاب عین نصف النہار پر تھا۔ فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیجاپور میں غلام تھا علامہ غلام علی حضرمی نجمی اور رفیع الدین شیرازی لکھتے ہیں کہ اس نے فوجی ملازمت اختیار کی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ ترقی کرتا گیا اور آخر کار اپنی فطری شجاعت اور ہنر و کمال کی بدولت ایک ممتاز عہدہ پر فائز ہو گیا۔ غالباً یہاں وہ "ملک" کے خطاب سے سرفراز ہوا کیونکہ اور حبشیوں وغیرہ کو اس قسم کے خطاب دئے جاتے تھے۔

ملک عنبر کو یہاں بڑی حد تک آزادی نصیب ہوئی۔ اس کو اپنی طبیعت کی جولانیاں دکھانے کا کافی موقع ملا اور وہ اپنے مذاق کے مطابق ماحول پانے لگا۔ چونکہ عرب میں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اس لئے اس میں عرب کے شہری کے خصائص داخل ہو گئے تھے اور اس کی طبیعت میں عربیت رچ گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اب جو نہی ذرا آزادی نصیب ہوئی اور فراغت حصہ میں آئی تو وہ عرب کے اہل کمال کی دل سے قدر کرنے لگا۔ چند ہی دنوں میں اس کے اردگرد مشاہیر عرب کا جمگھٹا لگ گیا۔

ان میں سے ہر فرد کے لئے اس نے وظیفہ مقرر کیا۔ جو کوئی عرب کو چھوڑ کر ہندوستان آتا تو ملک عنبر اس کے ساتھ لطف و احسان کا سلوک کرتا جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے نامور ان عرب کے حاشیہ نشینوں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کی تنخواہ نے اس کے جود و سخا کا ساتھ چھوڑ دیا اس نے ریاست کے وزیر اعظم سے اضافۂ تنخواہ کی درخواست کی اس کی درخواست پر خاطر خواہ التفات نہ ہوا۔ اس نے جب دیکھا کہ اس کی درخواست رد کی گئی تو وہاں ٹھیرنا ذلت سمجھا اور [illegible]ھ میں منصب کو ٹھکرا کے چل دیا۔ علامہ شبلی اور مجبی لکھتے ہیں کہ "موت کے خوف سے جو بظاہر منتظر تھی نکل گیا" اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی بیجاپور میں کسی مقتدر اور ذی اثر شخصیت سے دشمنی ہوگئی تھی جس کے باعث اس کو موت کا اندیشہ ہوگیا تھا اس نے اس خطرہ کو محسوس کر لیا اور وہاں ٹھیرنا مناسب نہ سمجھا اور [illegible]ھ میں بیجاپور کو خیرباد کہا۔

پانچواں باب

افلاس اور اس سے رہائی

جس وقت ملک عنبر بیجاپور سے چلا تو وہ بالکل تہی دست تھا، اس کے ساتھ سید علی نام کوئی علوی سردار تھے۔ اور علامہ شلّی حضرمی کے بقول اس کے ہمراہ عرب کا جم غفیر بھی تھا۔ اس ناداری و افلاس اور غربت و بینوائی میں ارباب کمال کی ایک کثیر جماعت کی قدردانیوں کا بار اٹھانا کوئی کھیل نہ تھا، لیکن مورخین[۱] کا بیان ہے کہ ان کی امداد سے پہلو تہی کرنے کا اس کو خیال تک بھی نہ آیا۔ اس کو سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر اس کی پیشانی پر شکن نہ آئی۔ اور اس نے راہ ثبات سے ہرگز قدم نہیں ہٹایا۔ عسرت و بینوائی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ نان شبینہ کو محتاج ہو گیا، اس پر بھی اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور اس کی کمر ہمت میں خم نہ آیا۔ مصائب و آلام اور رنج و تعب سے گھبرا کے کبھی اس نے دون ہمتی اور پست حوصلگی کا ثبوت نہیں دیا۔ زمانہ کی

۱۔ شلّی اور محبی۔

ہر ضرب کو اس نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور رنج و آلام کے تیروں کی پیہم بارش کے لئے اس نے اپنا سینہ کھول دیا۔ اس کی علوہمتی اور بلند حوصلگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اس کی بینوائی اور تہی دستی کا علم اس کے حاشیہ نشینوں کو بھی جلد نہ ہوسکا۔ علامہ شلی حضرمی کا بیان ہے کہ "جب سید علی اس کی فلاکت و نادار ی سے واقف ہوا تو اس نے بارگاہ صمدیت میں دعا کی لطیفۂ غیبی سے اس کو ایک مدفون خزانہ ملا۔ اس کے حالات نے کشادگی اختیار کی"[1]

ملک عنبر نے اس مال و دولت کو اپنے مشاغل ذوق اور اقتاد کے تقاضوں کی تمام تر نذر نہ ہونے دیا بلکہ عسرت و تنگدستی کی زنجیروں سے چھوٹتے ہی فوج اور پیادوں کی فراہمی میں لگ گیا۔ متوقع طلب نوجوان جوق جوق اس کے زمرۂ ملازمت میں داخل ہونے لگے چند ہی دنوں میں اس نے کافی فوج فراہم کرلی۔ اس کے پاس ڈیڑھ سو گھوڑے تھے اور پیادہ سپاہ اس کے علاوہ تھی۔

جب اس طرح اس نے شہرت و قوت حاصل کرلی تو ابہنگ خاں حبشی نے اس کو اپنے ساتھ شریک کرلیا۔ ابہنگ خاں نظام شاہی امرا سے تھا۔ اور اس زمانہ میں بہادر نظام شاہ والی احمد نگر سے برسر مخالفت ابہنگ خاں حبشیوں کی تربیت و فراہمی میں مصروف تھا ہی کہ ملک عنبر اس سے جا ملا۔ ابہنگ خاں اس زمانہ میں دوسرے نظام شاہی امرا کے ساتھ چاند بی بی کا مخالف تھا۔ ریاست احمد نگر میں دو فرقے ہوگئے تھے۔ ملک عنبر ابہنگ خاں سے جا ملا تو

---

[1] تحفۃ الملوک۔

اس نے بڑی جانبازیاں دکھائیں۔ چاند بی بی کے لشکر و افواج سے کئی مقابلے کئے۔ چنانچہ اس کا ذکر تحفۃ الملوک میں کسی قدر تفصیل سے درج ہے۔ ہم یہاں بخوف طوالت اس سے درگزر کرتے ہیں۔

چھٹا باب

والی احمد نگر کی دعوت ملازمت اور ملک کا قبول کرنا

اس زمانہ میں دستور تھا کہ حکومت کی افواج کے علاوہ ملک میں متمول اور صاحب استطاعت لوگ سپاہیوں کو ملازم رکھ لیتے تھے، جب کبھی حکومت کو ضرورت ہوتی تو وہ مدد کرتے، صلہ میں بڑا اعزاز اور عہدے حاصل کرتے۔ ملک عنبر نے بھی اس دستور کے تحت اچھی خاصی فوج فراہم کر لی تھی۔ جس کی بنا پر وہ ابھنگ خان کا ساتھ دے سکا تھا۔ جب حسین نظام شاہ والی احمد نگر نے جو اکبر اعظم کی فوج کی پیہم و متواتر یورشوں سے سخت نرغہ میں تھا ملک عنبر کی شہرت سنی تو ایک گراں بہا خلعت اور پارچہ بھیجا اور اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی[۱] ملک عنبر اس کے دربار میں پہنچا اور احمد نگر کے نظام شاہی دربار میں ملازم ہو گیا

یہ وہ زمانہ تھا جب چاند بی بی افواج اکبر اعظم کے مقابلہ میں اپنی شجاعت اور تدبیر کے جوہر دکھا رہی تھی، اکبر تسخیر احمد نگر پر تل گیا تھا، پورے دکن کو فتح کرنے

۱؎ شبلی جعفری ۔ مجمی

کے لئے ریاست احمد نگر کو پہلے دست اختیار میں لانا ضروری تھا، اس لئے کہ یہ راستہ پر تھی۔ اور بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنت جنوب میں دور تھیں، جب تک احمد نگر فتح نہ ہو جائے آگے قدم نہیں بڑھ سکتا تھا۔ اس لئے اکبر نے اس کی تسخیر کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ شہزادہ مراد، عبدالرحیم خاں خاناں، ابوالفضل اور ملک الشعرا فیضی کے ساتھ ایک لشکر جرار بھیجا، اکبری لشکر دکن میں چھاؤنیاں ڈالے برسوں پڑا رہا لیکن فتح کی صورت نصیب نہ ہوئی۔ شہزادہ مراد بے نیل مرام دکن سے لوٹا اور ۱۰۰۷ھ میں شراب کی نذر ہوا۔ مشہور تاریخی مصرع ہے :- ازگلشن اقبال نہالے شدہ گم، بیڑ کے اکبری جاگیر دار شیر خواجہ کو امرائے نظام شاہی نے بیڑ میں گھیر کے پرگنہ بیڑ کو منہدم کیا۔ یوسف خاں مشہدی اور ابوالفضل ان سے عاجز آگئے۔ اکبر کو خبر ہوئی تو وہ برہم ہوا۔ اس نے ۱۰۰۸ھ میں خاں خاناں کی دختر جانان بیگم سے شہزادہ دانیال کی شادی کر دی تاکہ خان خاناں اور شہزادہ میں کامل اتحاد ہو جائے اور مراد کی طرح نفاق کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ دونوں کو اس سال اپنے امرا کی ایک کثیر جماعت کے ہمراہ تسخیر احمد نگر کے لئے بھیجا اور خود بھی دکن کی طرف متوجہ ہوا۔[1]

ملک عنبر جب سرکار نظام شاہی میں ملازم ہوا تو یہ قیامت خیز ہنگامے برپا تھے۔ اس کو اپنی شجاعت و دلیری کے جوہر دکھانے کا اچھا موقع ملا۔ اس نے اپنے آقا کے دشمن مغلوں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے اور ان کو تنگ کرنا

1۔ تزک جہانگیری

شروع کیا۔ چنانچہ امرائے نظام شاہی کے ہاتھوں شیر خواجہ کے گھیرے جانے اور یوسف خاں مشہدی اور ابوالفضل کے عاجز ہونے کے جس واقعہ کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے ملک عنبر اس میں روح رواں تھا۔ مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ شہزادہ مراد کی رحلت کے قبل قلعہ بیڑ اور اس کے اطراف کے علاقہ کی حفاظت کے لئے بہادر سپاہیوں کی ایک فوج کے ساتھ شیر خواجہ کو مغلوں کی طرف سے متعین کیا گیا تھا، جب مراد کا انتقال ہو گیا تو موسم باراں میں ملک عنبر اور فرہاد ۵ ہزار حبشی اور دکنی سپاہیوں اور ساٹھ مست خرام ہاتھیوں کو لے کر آئے اور اکبری فوج کا مقابلہ کرنے لگے۔ شیر خواجہ راجپوتوں اور دوسرے سپاہیوں کو تقریباً شکست ہو گئی۔ اسی اثنا میں گوداوری کا پانی اتر گیا، اس لئے ابوالفضل وغیرہم نے مقام شاہ گڑھ سے دریا کو پار کر کے بروقت مدد دی۔ اس طرح کمک پہنچتے ہی اکبری فوج کی جان میں جان آگئی اور وہ خوب جم کر لڑی یہاں تک کہ احمد نگر والوں کو بھگا دیا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ملک عنبر نے اپنی ابتدائے ملازمت ہی میں خاص شہرت اور اہمیت حاصل کر لی تھی۔ نظام شاہی سلطنت میں ملک عنبر جیسے جانباز موجود تھے، لیکن امراء کے آپس کے نفاق اور ہمسایہ حکومتوں کی دشمنی نے رنگ بگاڑ دیا تھا۔ یعنی اس وقت شہزادہ دانیال اور خان خاناں نے دکن کا رخ کیا۔ ابوالفضل پہلے ہی سے اپنا لشکر لئے گوداوری کے کنارے

مونگی پٹن میں تھا۔ جہاں سے احمد نگر جنوب مغرب میں ۲۵ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ شاہزادہ نے ابوالفضل کو مسلسل احکام بھیجے کہ تمہاری جد و جہد ہر طرح لایق ستایش ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں لشکر (یعنی تمہارا اور ہمارا) ایک ساتھ حملہ آور ہوں اور احمد نگر کی مہم ہمارے سامنے سر ہو۔ شہزادہ تیزی سے بڑھے چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں بہادر علی خاں والی خاندیس نے روکنی کی۔ شہزادہ چاہتا تھا کہ اس روکش کے پیچ و خم راست کرتے چلے لیکن اکبر جیسا مدبر اس موقع کو کب ہاتھ سے جانے دیتا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ احمد نگر کو فتح کرنا مقدم ہے، دکن کی سلطنتوں کی جڑیں پھوٹ اور نفاق کی وجہ سے کھوکھلی ہو چکی ہیں باہمی تنازعات نے ان کی قوت توڑ دی ہے۔ پھر اگر ان میں اتحاد قایم ہو جائے تو تمہیں اسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس کو مراد حل نہ کر سکا اور دکن سے نامراد لوٹا۔ اس لئے جلد سے جلد احمد نگر کو سر کرنے کی فکر کرو۔ میں خود والی خاندیس کی گوشمالی کروں گا۔ اس فرمان کو پاتے ہی شہزادہ اور خان خاناں بڑھے اور بڑھ کر شہر مونگی پٹن کے باہر ڈیرے ڈالے۔

یہاں مغلوں کی تیس ہزار سواروں کی فوج نے سامان حرب آراستہ کیا اور تسخیر احمد نگر کے لئے یکدم بڑھی کامیاب پا اکبر نے بھی اپنا برق رفتار گھوڑا خاندیس کی سرحد میں تھاما۔ یہ حال دیکھتے ہی والی خاندیس نے سر اطاعت خم کیا۔ ادھر اکبر ایک باغی کو آراستہ بنایا اور ادھر حسد و نفاق سے ایسا

کرشمہ دکھایا اور نظام شاہیوں کی گردن مغلوں کے آگے جھکا دی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب دکن کی سلطنتوں میں حسد و نفاق کی آگ بھڑک اٹھی، احمد نگر باہمی مناقشات کا گھر بن گیا، اور آخر کار نظام شاہیوں کی لاج رکھنے والی دلیر، مغلوں کو اپنا لوہا منوانے والی بہادر نادرۃ الزمانی چاند بی بی اپنے غدار اور کوتاہ اندیش امراء کے ہاتھوں شہید ہو گئی، تو اس عفیفہ، باتدبیر عالی ہمت، دریا دل خاتون کے جانشین نظام شاہی تخت پر تصویر کی طرح بے جان دھرے تھے، یہی وجہ ہے کہ اکبر جو چاند بی بی کے جیتے جی دکن سے مایوس ہو گیا تھا۔ احمد نگر پر متصرف ہو گیا۔

ساتواں باب

تسخیر دکن کے لئے مغلوں کی جد وجہد

اس باب میں ہم مغلوں کی اس جد وجہد اور کارستانیوں کا مختصر ذکر کرتے ہیں جن سے ان کو تسخیر احمد نگر کے لئے کام لینا پڑا تا کہ صحیح اندازہ ہو سکے کہ ملک عنبر کو مغلوں کے اس عزم صمیم کا کس طرح مقابلہ کرنا پڑا

رقعات ابو الفضل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اعظم کی یہ دلی آرزو تھی کہ وہ دکن کو اپنی قلمرو میں داخل کرے، چنانچہ مختلف تاریخوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امرائے اکبری نے اس علاقہ کو حوضۂ تصرف میں لانے کی بڑی بڑی تدبیریں کیں اس کوشش اور جد وجہد کے سلسلہ میں بعض اوقات افواج اکبری نے بڑی بے رحمی ظلم اور وحشت کا ثبوت دیا جس سے اہل دکن بیزار ہو گئے تھے اور مغلوں سے نفرت کرنے لگے تھے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ امراء کے زمانہ میں اہل دکن سے مقابلوں کے سلسلہ میں ایک مرتبہ سپاہ

مغل نے اہل دکن پسپا کرکے ان کا پیچھا کیا اور شہر پٹن کو اس بے دردی سے لوٹا کہ "ذکور و اناث آن بلده (پٹن) را بستر عورتین محتاج ساختہ"[1] یعنی یہ کہ اس شہر کے مرد و زن ستر کو محتاج ہو گئے۔ اخلاص خاں اور مغل افواج کے مقابلہ کے سلسلہ میں یہ درج ہے "نہر گنگ (گوداوری) کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور کشت خون عظیم کے بعد اخلاص خاں بھاگ گیے لشکر بادشاہی نے لوٹ مار سے دل کا ارمان نکالا۔ وہیں پٹن کی طرف گھوڑے دوڑائے شہر مذکور آبادی سے گلزار ہو رہا تھا مگر اس لٹا کہ کسی کے پاس پانی پینے کو پیالہ تک نہ رہا۔ ان باتوں نے اہل دکن کو ان لوگوں سے بیزار کردیا جو ہوا موافق ہوئی تھی وہ بگڑ گئی"[2]

اس وحشت اور ظلم پر نظر کرتے ہوئے ابوالفضل افواج اکبری کے سپہ سالار اعظم خان خاناں کو بار بار مصلحت سے لکھتا ہے کہ پہلے دکن کی رعایا کے دلوں پر قبضہ پاؤ ان سے نرمی اور احسان کا برتاؤ کرو، شہزادہ دانیال کو بھی اہل دکن کے جذب قلوب اور دلجوئی کی تلقین کرتا ہے اور اس کو اپنے سپاہیوں اور سرداروں کے دلوں کی تسخیر کی ہدایت کرتا ہے تاکہ وہ دکن کی مہم میں پوری وفاداری اور جان سپاری سے کام لیں[3]

اکبر اعظم کی تسخیر دکن کی آرزو کا یہ عالم تھا اور امرائے اکبری نے اس

---

[1] فرشتہ [2] دربار اکبری۔ [3] ملاحظہ رقعات ابوالفضل خصوصاً صفحہ ۸۲، ۸۳ نولکشور طبع

کو فتح کرنے کیلئے جان توڑ کوشش کیں۔ جو علاقہ اس قدر جدو جہد کے بعد حاصل ہوا ہو اس کو اکبر جیسے الوالعزم شہنشاہ کے پنجہ سے چھین لینا آسان نہ تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ چاند بی بی کے بعد سب کو یقین تھا کہ مغلوں کی چنگل سے دکن کا بچنا محال ہے۔

آٹھواں باب

حوصلہ شکن ماحول

جب اکبر اعظم "جبراً و قہراً"[1] یا "بہ صد نیرنگ و فسوں"[2] قلعہ احمد نگر اور اس کے اطراف کے تھوڑے سے علاقے کو تصرف میں لایا اور بہادر نظام شاہ کو جو والی و وارث سلطنت تھا قلعہ گوالیار میں محبوس کر دیا تو نظام شاہیوں کے امرا میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو ڈوبتے بیڑے کو بچا سکے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا اور سب کو یقین تھا کہ اب نظام شاہیوں کی حکومت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب کر چکا ہے اور دکن مغلوں کی قلمرو سے باہر نہیں۔ لیکن ملک عنبر ان تین چار سال کے عرصہ میں اپنے اوصاف و قابلیت کی بدولت بڑے مرتبہ پر پہنچ چکا تھا، وہ بلند ہمت اور اولو العزم تھا۔ اس کے ساتھ چند اور نظام شاہی امرا ملے اور بہادر نظام شاہ کے قید ہونے اور قلعہ احمد نگر کے دست اختیار سے چھن جانے پر انہوں نے اسی خاندان کے ایک شخص مرتضیٰ ولد شاہ علی کو اپنا بادشاہ بنایا۔ قلعہ پرینڈہ

---

[1] مآثر الامرا، ذکر فتح خاں۔ [2] بساتین السلاطین۔

میں تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اس مقام کو چند دنوں کے لئے دارالسلطنت قرار دیا اور بادشاہ کے ضروری مصارف کے لئے قلعہ اوسہ اور چند قریے واگزاشت ہوئے [1]

اس طرح امراء نظام شاہی نے اپنا ایک بادشاہ تسلیم کر تو لیا اور برائے نام حکومت قایم کر لی، لیکن اس پر ملک عنبر کا قلب مطمئن نہیں تھا۔ اس کی فطرت نے گوارا نہیں کیا کہ جس جدوجہد اور کوشش میں اس کے آقاؤں نے اپنی پوری قوتیں اور جانیں تک کھپا دیں اس سے روگردانی کرے اور اپنے دشمنوں کے سامنے سر اطاعت خم کرے۔ وہ اٹھا اور مٹی ہوئی سلطنت کو از سر نو قایم کرنے اور شوکت رفتہ کو حاصل کرنے پر تل گیا۔ اور مغلوں کے مقابلہ میں کمر باندھی۔ ڈھئی ہوئی حکومت اور کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ قایم کرنا اور اور اکبر اعظم کا مقابلہ کوئی کھیل نہ تھا۔ اس پر بھی اگر کوئی جوان ہمت علم استقلال و مقاومت بلند کرے تو حالات ناموافق تھے، عادل شاہ اور قطب شاہ دونوں نظام شاہیوں کے ملک کو غصب کرنا چاہتے تھے وہ ملک عنبر کی اولوالعزمی اور جانبازی پر کھٹکے اور اس کے دشمن ہو گئے خود نظام شاہیوں کی خراب و برباد مملکت میں ایسے غدار اور غاصب امراء تھے، جو ملک کے مختلف حصوں کو دبائے بیٹھے تھے اور ملک عنبر کی اس کوشش کو اپنے مقصد کے لئے مضرت رساں خیال

[1] مآثر الامراء

کرتے تھے وہ بھی اس کے خون کے پیاسے ہو گئے، بعض ایسے بھی تھے جن
کو نظام شاہی نمک کا پاس تھا لیکن ایسے حوصلہ آزما اور خطرناک وقت
میں ان میں سے کسی کو ہمت تک نہ ہو سکتی تھی کہ محض ملک عنبر کا ساتھ دے
سکے صرف راجو میاں دکنی ایک ایسا جواں حوصلہ نکلا جس نے ملک عنبر
کی طرح بلند ہمتی کا ثبوت دیا اور مغلوں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے۔

راجو میاں، سعادت خان کے خاص ملازمین سے تھا۔ سعادت خان
نظام شاہی امیر اور ذی اقتدار سپہ سالار تھا۔ مغلوں کی یورشوں کے زمانہ
میں وہ پہاڑوں اور پوشیدہ مقاموں میں بسر کرتا رہا۔ اس کے پاس
کوئی مشہور قلعہ نہ تھا اور نہ محافظت کا کوئی خاص مقام۔ لیکن مغلوں کے
لشکر پر تاخت و تاراج کر کے بہت سا اسباب اور خزانہ جمع کر لیا تھا۔ آخر میں
خان خاناں کے قول پر صلح کر لی، اور اس سے ملاقات کے لئے گیا۔ تھوڑا
بہت سامان تو ساتھ لے گیا باقی ہاتھی گھوڑے اور دوسرا اسباب راجو میاں
کے حوالہ کیا۔ ابہنگ خاں نے راجو میاں سے کہا کہ سعادت خاں نظام شاہی
ملازموں سے تھا لیکن اب ترک بندگی کر کے مغلوں کی خدمت اختیار کی
ہے، تو اس کے ملک کو اپنے تصرف میں لا، خدا نے تجھے جہات امارت دی
ہیں تو مردہ بن اور جو ملک اس کے تصرف میں ہے اپنے قبضہ میں لا۔ اس
کی حفاظت کر کے مغلوں کی تلاش میں رہ شاید دوسرا حصہ ملک بھی تیرے

تصرف میں آجائے۔ اس کو ابھنگ خاں کا مشورہ بہت پسند آیا۔ اس پر عمل کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ آٹھ نو ہزار سوار فراہم کیئے اور ملک عنبر سے مل گیا۔ اور بڑی جرأت دلیری سے کام لینے لگا۔ لیکن چند ہی دنوں میں اس کی نیت بدل گئی۔ وہ ملک عنبر کو بے دخل کر کے خود قابض مطلق ہونا چاہتا تھا۔ ملک عنبر کے راستہ میں یہ بھی ایک سنگ راہ تھا۔

المختصر یہ مخالف، قطعی حوصلہ شکن اور مایوس کن حالات تھے جن کے تحت ملک عنبر ان مقاصد کو پورا کرنا چاہتا تھا۔

۱۔ مغلوں کے تصرف میں جو علاقہ چلا گیا ہے اس کو پھر حاصل کرنا۔

۲۔ ہمسایہ حکومتوں کی دستبرد سے ملک کو محفوظ رکھنا اور ان کی جسارتوں کا خاتمہ کرنا۔

۳۔ ریاست کے غدار اور غاصب امرا وارکان کا قلع قمع کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ۔

۴۔ ملک میں امن و اطمینان قایم رکھنا اور اہل ملک کے فلاح وبہبود کے ذرایع مہیا کرنا۔

جب ملک عنبر نے اپنے مقاصد کی انجام دہی کے لئے کمر چست کی تو راجو میاں نے بھی علم استقلال بلند کیا دونوں نے ان معرکہ آرائیوں اور

لہ تحفۃ الملوک

جانبازیوں سے جن کی تفصیل آگے آئیگی ملک کا بڑا حصہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔
ملک عنبر پہلے مصرحہ ذیل علاقہ کو اپنے دست اقتدار میں لایا۔
مشرق میں قبضۂ بیڑ سے ایک فرسنگ کے فاصلہ سے لے کر سرحد تلنگانہ
تک۔ جنوب میں احمد نگر سے چار کروہ کے فاصلہ سے لے کر دغالباً سرحد کرناٹک
تک) اور بیس کروہ دولت آباد سے بندر چیول تک۔

راجو میاں نے اس حصہ کو حاصل کیا۔
شمالاً دولت آباد سے لے کر سرحد گجرات تک۔ اور جنوباً چھ کوس
احمد نگر تک۔

ملک عنبر اور راجو نے سلطنت کا بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا تھا،
مغلوں کے قبضہ میں صرف قلعہ احمد نگر اور اس کے اطراف کا چھوٹا سا علاقہ
تھا جو بڑی سرگرمی، جد وجہد "قہر وغضب" اور "صد نیرنگ وفسون" کے ساتھ
حاصل کیا گیا تھا) ملک عنبر اور راجو اس کو بھی چھین لینے پر تل گئے تھے۔
مغلوں کی سرگرمیوں کا یہ عالم تھا، اور ادھر امراء نظام شاہی ملک
کے مختلف حصوں پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے، ہمسایہ حکومتیں گھات میں تھیں
غرض امراء اکبری دکن میں ان حوصلہ افزا حالات سے دوچار تھے اور
ابو الفضل، خان خانان وغیرہ ہم تو اکبر اعظم کو جوشیلے خطوں کے ذریعہ یقین دلا
رہے تھے کہ اب پورے دکن کی جیت کی بازی ہمارے ہاتھ ہے لیکن

ملک عنبر نے ان کی بڑھتی ہوی اُمیدوں کو خاک میں ملا دیا اور اکبر اعظم کی دیرینہ آرزو پر پانی پھیر دیا۔

ملک عنبر نے سرکار نظام شاہی میں ملازم ہوتے ہی مغلوں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے تھے، اور ان کو تنگ کرنا شروع کیا تھا چنانچہ شیر خواجہ اور ابوالفضل وغیرہم سے ملک عنبر کے مقابلوں کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں، اس کے بعد جب چاند بی بی شہید ہو جاتی ہے اور ملک عنبر کے ہاتھ میں زمام اختیار آتی ہے تو وہ مغلوں کو اور زیادہ مایوس کر دیتا ہے۔ چنانچہ اکبر اعظم ہی کے زمانہ میں اس نے ایسی جانبازیاں دکھائیں کہ مغل پریشان ہو گئے اس کا ثبوت ابوالفضل کے ایک اقتباس سے بخوبی ہو سکیگا، ابوالفضل ملک عنبر کی ان جانبازیوں اور کارگزاریوں پر نظر کر کے جن کا ذکر ہم ابھی کرتے ہیں، اکبر کو لکھتا ہے!

"قبلہ من! کیا کہوں اور کیا لکھوں؟ مختصر یہ کہ اگر چار شخص مثل اس کے (شیر خواجہ کے) ہوں اور چار طرف سے حملہ کریں تو عنبر نامراد کیا جان رکھتا ہے؟ بلکہ (دکن) سرحد کرناٹک تک مفتوح ہو سکتا ہے اور دکن کی طویل و کہنہ مہمات سر ہو سکتی ہیں" لے

اس میں شبہ نہیں کہ ابوالفضل نے اپنی عرضداشتوں میں ملک عنبر کو حقارت سے یاد کیا ہے لیکن اس سے ملک عنبر کی اہم حیثیت مسلم ہو جاتی

لے ذاتی ترجمہ از رقعات ابوالفضل قلمی کتب خانہ آصفیہ۔

ہے اور صاف واضح ہوتا ہے کہ اس نے اپنی شجاعت و دلیری کے جوجوہر دکھانے شروع کر دیے تھے اس کا اثر مغلوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں پر برا پڑا یوں تو ابتداء ملازمت ہی میں ملک عنبر مغلوں کے دست تصرف سے احمد نگر کو چھین لینے اور ان کو دکن سے بے دخل کرنے پر تل گیا تھا، لیکن چاند بی بی کے بعد جب ایک ہراس اور یاس چھا جاتی ہے اور ارکان سلطنت بے دست و پا نظر آتے ہیں۔ تو ملک عنبر اٹھتا ہے اور بڑی جانبازی سے کام لیتا ہے۔

نواں باب

افواج اکبری سے مقابلے

تاریخ کی مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند بی بی کے بعد ملک عنبر کا پہلا قابل ذکر حملہ ۱۰۰۹ھ میں مغل سردار علی مردان خاں حاکم تلنگانہ سے ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ مغلوں کی جانب سے بہادر الملک کو حمید خاں کے ساتھ تلنگانہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ ملک عنبر نے ملک برید حاکم بیدر کی فوج کو اپنے ہمراہ لیا اور ان سے لڑائی کا آغاز کیا۔ کہا جاتا ہے کہ مغلوں کے سپاہی کم تھے لیکن انہوں نے غرور مردانگی میں پروا نہیں کی اور مقابلہ میں اتر آئے دریائے مانجرہ کے کنارے لڑائی ہوئی۔ مغل سرداروں کو شکست ہو گئی۔ یہ خبر سن کر علی مردان خاں جو شیر خواجہ کے ساتھ پاتھری کے قریب تھا اس طرف روانہ ہوا اور ملک عنبر کے سپاہیوں سے مقابلہ کرنے

لگا۔ اس کے بہت سے ساتھیوں نے پہلوتہی کیا لیکن اس نے رلو ثبات سے قدم نہیں ہٹایا اور بڑا مردانہ وار مقابلہ کیا لیکن آخر کار وہ ملک عنبر کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اس وقت تک رہا نہ ہو سکا جب تک شیخ ابوالفضل نے ملکی مصلحتوں کے اقتضا سے سرداران دکن سے صلح نہ کر لی۔ اس تقریب میں علی مرداں اور دیگر سردار ملک عنبر کی قید سے رہا ہوئے اس فتح سے ملک عنبر کے قبضہ میں تلنگانہ کا وہ علاقہ آگیا جس پر مغل متصرف تھے ۱؎

ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ ابوالفضل کو علی مردان خان کی شکست کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے بیٹے شیخ عبدالرحمٰن کو ایک ہزار فوج کے ساتھ بھیجا اور شیر خواجہ کو جو پاتھری میں تھا اس کے ہمراہ کیا۔ ان دونوں نے ناندیڑ کے قریب گوداوری کو عبور کیا اور مانجرہ کے قریب ملک عنبر سے مقابلہ کیا، کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں بازی جیت گئے، ۲؎

ایک جگہ یہ بھی درج ہے کہ ۱۰۱۰ھ کے اوائل میں شہزادہ دانیال نے دربار اکبری میں ایک عرضداشت بھیجی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر نے علاقہ بیدر میں فوجی دستے جمع کئے تھے اور اس فوج کو شکست دی تھی جو ملک برید حاکم بیدر نے اس کے مقابلہ کے لئے بھیجی تھی ملک برید سے اس نے خراج وصول کیا اور قطب شاہی علاقہ پر حملہ آور ہوا،

۱؎ ماثر الامراء جلد اول ص ۳۴۳ ۲؎ ماثر الامراء ص ۱۱۵

فتح پا کر وہاں سے بڑھا اور پاتھری میں مغلوں کے سردار میر مرتضیٰ کو محصور کیا۔ شہزادہ دانیال ملک عنبر کی بڑھتی ہوئی قوت اور ظفر مندیوں کو دیکھ کر گھبرایا۔ اور فوراً خان خاناں کو شاہ علی (سابق والی احمد نگر) کے بیٹے مرتضیٰ کے پاس احمد نگر بھیجا کہ اس میں اور ملک عنبر میں سنجوگ جمنے نہ پائے اور عین اسی وقت شیخ ابوالفضل کو راجو میاں کے مقابلہ کیلئے بھیجا

انہی ایام میں ملک عنبر اور راجو میاں میں کچھ نفاق ہو گیا، دونوں ایک دوسرے کے علاقہ پر غلبہ پانا چاہتے تھے خان خانان کو اس نفاق کا علم ہو گیا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ راجو میاں نے مغلوں سے ساز باز کر رکھی تھی اور ملک عنبر کے علاقہ کو فتح کرنے پر ابھار ابھی تھا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خان خاناں نے فوراً اپنے آدمیوں کو ملک عنبر کے اس علاقہ پر جو تلنگانہ کی جانب واقع تھا متصرف ہونے کے لئے مامور کیا۔ ملک عنبر نے بھی فوراً فوج جمع کی اور ۱۰۱۰ھ میں سات آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ اس طرف روانہ ہوا۔ مغلوں کے تھانے اٹھا دیے اور اپنے ملک کو مغلوں کے تصرف سے نکال لیا۔ خان خانان نے اپنے بڑے بیٹے مرزا ایرج کو جو زیور شجاعت و تہور سے آراستہ تھا پانچ ہزار انتخابی سواروں کے ساتھ نامزد کیا۔ قصبۂ نانڈیڑ کے حوالی میں دونوں صف آرا ہوئے۔ ایک نے بلند نامی کے لئے اور دوسرے نے حفظ ملک کی خاطر نہایت

قہر وغضب سے لڑنا شروع کیا، دونوں بڑی مردانگی سے لڑتے رہے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ طرفین سے جانباز سپاہی زخمی ہونے لگے، خون کی نہریں بہہ گئیں۔ بہت سے آدمی مارے گئے، ملک عنبر کی فوج کے میسرہ اور قلب نے کمزوری کا اظہار کیا، مغلوں کے دل بڑھے اور انہوں نے خوب جم کر لڑنا شروع کیا۔ ملک عنبر زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کی فوج تتر بتر ہو گئی۔ اس کے مخلص حبشی اور دکنی سپاہیوں نے ہجوم کر دیا اور اس کو سوار کر کے میدان سے لے گئے، بیس ہاتھی مع سازہ سامان کے مغلوں کے ہاتھ آئے۔ اس فتح پر اکبر اعظم نے مرزا ایرج کو بہادر کا خطاب دیا[1]۔

---

[1] فرشتہ۔ ماثرالامرا وغیرہ

دسواں باب

مغلوں سے صلح

مغلوں کو یہ نمایاں فتح ہوئی، لیکن اس سے نہ تو ملک عنبر کے حوصلے پست ہوئے اور نہ مغلوں کو اطمینان نصیب ہوا۔ پندرہ سال سے وہ مہم احمد نگر میں جان کھپا رہے تھے، خدا خدا کر کے قلعہ احمد نگر اور اس کے اطراف و اکناف کا تھوڑا سا علاقہ دست اختیار میں آیا ہی تھا کہ ملک عنبر نے چھیننے کی کوشش شروع کر دی۔ دکن کے طولانی صعوبتوں سے بھرپور قیام نے ان کو عاجز کر دیا تھا پھر ملک عنبر کی اولوالعزمی سے وہ اور بھی زیادہ خائف ہو گئے ادھر مرزا جمال الدین حسین انجو کو اکبر اعظم نے دربار بیجاپور میں بھیجا تھا۔ وہ شہزادہ دانیال کا پیغام ابراہیم عادل شاہ کی لڑکی کے لئے لے گیا تھا۔ تین سال گذر چکے تھے کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملا تھا۔ اس تعویق پر اکبر اعظم پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ ابراہیم عادل شاہ برابر لیت و لعل کئے جا رہا تھا۔ وہ ملک عنبر کی جانبازیوں کا انجام دیکھ رہا تھا، کہ اگر اس کے بلند ارادے

بارآور ہو گئیں اور اس نے مغلوں کو فتح دکن سے مایوس کر دیا تو آنجو کو بے نیل مرام واپس کر دیا جائے۔ امرار دربار اکبری کو آنجو کی ناکامی کا اندیشہ لگا ہوا تھا وہ سمجھ رہے تھے کہ ابراہیم عادل شاہ کا لیت ولعل کرنا محض ملک عنبر کی جوان مردی اور بلند حوصلگی پر منحصر ہے۔ اور اس کی آڑ میں عادل شاہ اور قطب شاہ دونوں پناہ گزیں ہیں۔ اگر ملک عنبر سے صلح کی گئی اور اس کو خاموش کر دیا گیا تو مجال نہیں کہ عادل شاہ کچھ جرأت کر سکے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب مغلوں نے دیکھا کہ ملک عنبر کو تازہ شکست ہوئی ہے اور وہ سخت زخمی ہے تو مرزا عبدالرحیم خاں خاناں نے جو اس کے عزم[1] بلند سے واقف اور اس کی شجاعت و مردانگی کا قایل و معترف تھا فوراً صلح و آشتی کی بنیاد ڈالی۔

"خان خاناں پر چونکہ اس کی (ملک عنبر کی) شجاعت و مردانگی کا اثر بیٹھ چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ ملک عنبر پھر لشکر کشی کی فکر میں ہے اس لئے اس نے کسی نہ کسی طرح صلح کر لینی چاہی"[1]

ملک عنبر نے جب دیکھا کہ راجو میاں جو امانت کا دم بھرتا تھا اب نیت بدل دی ہے اور ملک کے ایک حصے پر تصرف جمائے بیٹھا تماشہ دیکھ رہا ہے اور موقع بموقع ملک عنبر کے حاصل کیئے ہوئے علاقوں پر بھی چھاپے مارنا شروع کر دیا ہے اور مغلوں کو اس کے خلاف ابھارا ہے، اپنے ایما سے ان کی

---

[1] فرشتہ۔

جرأتیں بڑھا رہا ہے اور پورشیں کروا رہا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ ایسے ناموافق حالات اور حوصلہ شکن ماحول میں مغلوں سے مقاومت کرنی مصلحت سے بعید ہے اس لئے فوراً خان خاناں کی تحریک اور کوشش سے صلح پر رضامند ہو گیا۔ اور خان خاناں سے ملاقات کی۔ خان خاناں بڑی تعظیم سے پیش آیا۔ بغل گیر ہوا خاطر مدارات کی اور اکبر بادشاہ سے ملاقات کی خوش خبری سنائی [۱]

ملک عنبر خان خاناں سے ملاقات کرکے فوراً لوٹا، رعایا کی دل جوئی کی ملک کو معمور کر دیا اور اس طرح چند روز کے لئے ملک و رعایا کو فتنہ و آشوب سے نجات ملی۔ ملک عنبر خوب جانتا تھا کہ مغلوں نے مصلحت سے صلح کی ہے۔ وہ موقع کی تاک میں ہیں، اس لئے وہ بھی اپنی جگہ ہر طرح تیار رہنے لگا [۲]

---

[۱] فرشتہ۔ [۲] تحفۃ الملوک۔

گیارھواں باب

خانہ جنگیاں

انہی دنوں میں تپنگ رائے کول، فرہاد خاں مولد، صندل خواجہ سرا اور دوسرے دکنی سرداروں نے ملک عنبر کا ساتھ چھوڑ دیا اور مرتضےٰ نظام شاہ سے جا ملے، اس کو ملک عنبر کے دفعیہ پر ابھارا اور حوالی اوسہ کو لشکرگاہ بنایا، ملک عنبر نے ان حدود میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے نظام شاہ کا مقابلہ کر کے اس کو مغلوب کیا، تپنگ رائے کو زندہ پکڑ کے قید کیا، نظام شاہ گھبرایا اور اپنے ذی اثر اور مقتدر امراء فرہاد خاں اور ملک صندل کے اتفاق سے ملک عنبر سے صلح کر لی،

صلح کے بعد ملک عنبر نظام شاہ کو لے کر اواخر ماہ ربیع الثانی ۱۰۱۲ھ میں قلعہ پر بنڈہ کی طرف روانہ ہوا، منجھن خاں قلعہ دار نے جو بیس برس سے وہاں مامور تھا نظام شاہ کو پیغام بھیجا کہ "تم کو اپنا آقا جان کر جگہ دیتا ہوں لیکن

ملک عنبر جو خان خاناں سے ملاقات کر کے اکبر کا نوکر ہو گیا ہے اعتماد نہیں کرتا ہوں اور اسے قلعہ میں جگہ دینے سے معذور ہوں" ملک عنبر نے جواب دیا "چونکہ میں تینگ راے، فرہاد خاں اور ملک صندل کے غدر سے ایمن نہ تھا اس لئے مصلحتاً خان خاناں سے ملاقات کی، اور بظاہر اس کا طرفدار ہو گیا ہوں ورنہ صمیم قلب سے نظام شاہی غلاموں میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ دولت خواہی کے لوازم بجا لا کر اس خاندان کی سلطنت کی حفاظت میں ممکنہ سعی سے کام لوں" ملک عنبر کی ان باتوں کو منجھن نے قبول نہیں کیا اور حرف و حکایات کے دروازے بند کر دے۔ ملک عنبر کو خوف ہوا کہ موقع پا کر منجھن خاں کہیں قوی پشت نہ ہو جائے نظام شاہ قلعہ میں گھس نہ جاے اور منجھن خاں اس کو نظر بند نہ کر لے۔ اس لئے نظام شاہ کو نظر بند کر کے موکلوں کے پاس لے گیا۔ فرہاد خاں اور ملک صندل نظام شاہ کے گرفتار ہونے سے دلگیر ہوے اور قلعہ کا رخ کیا۔ منجھن خاں نے تقریباً ایک مہینے تک ملک عنبر کے مقابلہ میں علم مدافعت بلند رکھا، لیکن اس کے بیٹے سونا خاں نے قلعہ میں بے اعتدالیاں شروع کر دیں اور قلعہ کے مرد و زن کے ساتھ دست درازی کا آغاز کر دیا سب نے مل کر اس کو مار ڈالا۔ منجھن نے قلعہ میں زیادہ دنوں ٹھیرنا مصلحت سے بعید سمجھا، فرہاد خاں، ملک صندل اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ابراہیم عادل شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سب ملازم ہو گئے۔ منجھن خاں کے

بعد قلعہ والوں نے چند دنوں کے لئے حصار کو مضبوط کیا لیکن آخر کار ملک عنبر بحسن تدبیر اس پر متصرف ہو گیا نظام شاہ کو نظر بندی سے رہا کیا اس کے سر پر چتر رکھا اور مخصوص لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ قلعہ پرینڈہ کو نظام شاہ کا مسکن قرار دیا اور خود لشکر اور ہاتھیوں کو لے کر باہر چلا گیا۔

ملک عنبر کی طرف سے جب مغلوں کو صلح کے بعد یک گونہ اطمینان میسر ہو گیا تو انہوں نے فوراً بیجاپور کی طرف توجہ کی، اس پر بھی ابراہیم عادل شاہ شادی کے سوال کو دو سال تک ٹالتا رہا غالباً وہ توقع کر رہا تھا کہ شاید مغلوں سے ملک عنبر کی یہ صلح دیر تک قایم نہ رہ سکے اور پھر بچاؤ کی صورت نکل آئے لیکن جب اس نے دیکھا کہ ملک عنبر داخلی امور کی اصلاح اور ملک کی اندرونی سازشوں اور بغاوتوں کے رفع دفع میں مصروف ہے اور اسی لئے لیت ولعل کرنے میں گنجایش نہ دیکھی اور ۱۰۱۲ھ میں اپنی لڑکی سلطان جہاں کو اپنے درباری امرا کی معیت میں بھیجا۔ محرم ۱۰۱۳ھ میں شہزادہ دانیال دلہن کی پالکی کے استقبال کے لئے برہان پور سے احمد نگر کی طرف ناسک و دولت آباد کے راستے سے روانہ ہوا۔ ایک جماعت راجو میاں کے پاس بھیجی کہ وہ بھی ملک عنبر کی طرح ملازمت میں حاضر ہو اور جاگیر پاکر واپس ہو۔ راجو میاں نے اس قول پر اعتماد نہ کیا شہزادہ طیش میں آگیا، اور فوراً اس کے استیصال پر کمر باندھی۔ راجو میاں نے بھی علم جرأت بلند کیا

اور آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ اس کے مقابل ہوگیا اگرچہ صف بندی
جنگ نہیں ہوئی لیکن مغلوں کے لشکر کے اطراف و جوانب میں تاخت
و تاراج کرکے راجو میاں نے بہت کچھ زحمت پہنچائی۔ شہزادہ نے اپنے آدمیوں
کو خان خاناں کے پاس جالنہ بھیجا اور کمک چاہی، خان خانان نے کمال
عجلت سے پانچ چھ ہزار سواروں کو بھیجا۔ اس سے شہزادہ کو بڑی امداد ملی
اور اس کو بڑا اطمینان نصیب ہوا۔ راجو نے تاخت و تاراج بند کردی اور
اپنے علاقہ میں چلا گیا۔ شہزادہ اور خان خاناں احمدنگر گئے اور پالکی کو
احمدنگر سے مونگی پٹن بڑے تزک و احتشام سے لائے قلعہ پٹن کے باہر
دریائے گوداوری کے کنارے شادی کے رسوم بڑے کروفر سے ادا
ہوئے۔ چونکہ ۱۵ برس رنج و تعب میں گزرے تھے اس لئے بڑی
شان و شوکت سے ایک جشن منایا گیا اس فتح عظیم نے سب تلخیاں
بھلادیں۔ اس کے بعد خان خاناں جالنہ پور گیا اور شہزادہ برہان پور
اس زمانہ کے لگ بھگ نظام شاہ نے ایک جماعت راجو کے
پاس بھیجی اور ملک عنبر کی سخت گیری کی شکایت کی۔ ملک عنبر نے دیکھا
کہ غلبہ کے آثار راجو کی جانب سے ظہور پذیر ہو رہے ہیں تو بہت بے چین
ہوا، اپنے آدمیوں کو خان خانان کے پاس کمک طلب کرنے بھیجا۔
خان خانان نے دو تین ہزار سوار میرزا حسین بیگ کی سرکردگی میں فوراً

بھیجے۔ اور مقطع بیڑ مدد کے لئے دیا۔ ملک عنبر کو اس سے ذرا تقویت پہنچی اس نے راجو کو دولت آباد کی طرف شکست دیکر بھگایا عین اس وقت یعنے ۱۰۱۳ھ میں شہزادہ دانیال برہان پور میں شراب کی نذر ہوا۔ اس زمانہ میں خان خاناں برہان پور میں تھا۔ ملک عنبر نے موقع غنیمت جانا فوراً اپنا لشکر فراہم کیا اور انتقام کی غرض سے دولت آباد کی جانب راجو پر لشکر کشی کی۔ راجو تاب مقاومت نہ لاسکا اور فوراً اپنے آدمیوں کو برہان پور بھیج کر خان خاناں سے کمک کی التجا کی۔ خان خاناں بھی برھان پور میں ٹھیرنا خلاف مصلحت جانتا تھا۔ اور وھاں سے نکلنے کے لئے بہانہ ڈھونڈھتا تھا، اور اب جب کہ یہ واقعات رونما ہو رہے تھے تو اس کو موقع ملا۔ اس نے فوراً دولت آباد کا رخ کیا۔ چھ مہینے تک ملک عنبر اور راجو کے لشکروں کے درمیان حایل رھا۔ اور دونوں میں سے کسی کو بھی حملہ آور ہونے نہ دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک دوسرے پر غالب ہوجائے، ملک عنبر نے جب یہ کیفیت دیکھی تو وہ سمجھا کہ خان خاناں راجو کا حامی و طرفدار ہے۔ اس کے کہنے پر راجو سے صلح کر لی اور پر ینڈہ کی طرف روانہ ہوا۔ خان خاناں برہانپور گیا۔

ملک عنبر کا خیال تھا کہ راجو کی پہلی لشکر کشی کی بنیاد محض نظام شاہ کے ایما پر ہے اور چونکہ اس سے قبل کہ نظام شاہ نے اس کے خلاف امیر برید

والی بیدر سے مدد بھی چاہی تھی۔ اس لئے اس نے مناسب جانا کہ مرتضیٰ نظام شاہ کو معزول کر کے اس کے خاندان سے کسی دوسرے شخص کو تخت پر بٹھادے ابراہیم عادل شاہ کو ملک عنبر کے ارادوں کی خبر ہوئی تو اس نے فوراً دونوں میں پوری صفائی کرادی۔ عادل شاہ ڈرتا تھا کہ اگر ملک عنبر خانہ جنگیوں میں الجھ گیا تو موقع طلب مغل کہیں غلبہ نہ پا جائیں اور احمد نگر کے ساتھ بیجا پور کو بھی شکار نہ کریں۔ اس نے فوراً دونوں میں مصالحت کرادی تاکہ ملک عنبر یکسوئی کے ساتھ مغلوں کا مقابلہ کرتا رہے جب دونوں میں صفائی ہوگئی تو دونوں دس بارہ ہزار سواروں کے ساتھ جنیر کی طرف روانہ ہوے۔ جنیر مرتضیٰ نظام شاہ کے جد اعلیٰ اور بانی خاندان کا مسکن تھا۔ اس مقام کو ۱۰۱۶ھ میں مستقر قرار دیا گیا۔ اور راجو کی گوشمالی کے لئے جو ملک عنبر کے خوف سے دولت آباد نہیں جاتا تھا چند مسلمان اور ہندو سرداروں کو بھیجا۔ راجو گرفتار ہوا اور اس کا ملک نظام شاہ کے قبضۂ تصرف میں آیا۔

نظام شاہی مملکت کی زمام حکومت اس وقت سے پورے طور پر ملک عنبر کے ہاتھ میں آئی۔ مرتضیٰ نظام شاہ ولد شاہ علی برائے نام بادشاہ تھا۔ حل و عقد کی باگ ملک عنبر کے قبضۂ قدرت میں تھی، غالباً اس وقت سے ملک عنبر کو وکیل السلطنت اور مملکت مدار کا لقب ملا۔

ملک عنبر نے اپنی جانفشانی، سرفروشی، الوالعزمی اور تدبر سے نظام شاہی

سلطنت کی عمارت تو کھڑی کر دی تھی لیکن اس کی بنیادیں متزلزل تھیں اور ہرگز یہ امید نہ تھی کہ وہ قائم رہ سکے گی اس پر غور کرتے ہوئے مورخ عصر فرشتہ ۱۰۱۰ھ میں صاف لکھتا ہے:-

"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان (نظام شاہی) روبہ انحطاط ہے اور دہلی کے بادشاہ اس کو اپنی مملکت کا تتمہ بنانے کی طمع کرتے ہیں اور موقع کی تاک میں ہیں پھر نہ معلوم ارادۂ قادر بیچوں کیا ہے۔"

واقعات اور حالات ایسے ضرور تھے جن سے یہی اندیشہ ہوتا تھا۔ لیکن شہزادہ دانیال کا شراب کی نذر ہونا، سلیم کی بغاوت، ابو الفضل کی شہادت یہ سب حادثات اکبر کے لئے روح فرسا ثابت ہوئے اور اس نے بھی ۱۰۱۴ھ میں "عرش" کو "آشیانہ" بنالیا تھا۔ اس کے بعد جہانگیر کے سریر آرا ہوتے ہی خسرو کی بغاوت، یہ سب ایسے واقعات ظہور میں آئے جنہوں نے مغلوں کو تقریباً ۱۰۲۰ھ تک پوری تیاری کے ساتھ دکن کا رخ کرنے نہ دیا یہی وہ وقفہ ہے جس میں ملک عنبر کو کسی قدر امن اور اطمینان نصیب ہوا۔ اسی اثنا میں اس نے غیر معمولی قوت حاصل کر لی اور اس قابل ہو گیا کہ اپنی مدت العمر مغلوں کو فتح دکن کی ہوا تک نہ لگنے دے۔ یہ فرصت نہ صرف فوجی قوت حاصل کرنے میں خرچ ہوئی بلکہ ان ایام میں اس نے امن وامان اور

ملکی و مالی تنظیم کی ایسی بنیاد ڈالی کہ گو اس کو بقیہ عمر بھی مغلوں اور دوسرے دشمنوں سے لڑتے بھڑتے گزارنی پڑی اور کبھی راحت اور اطمینان نصیب نہ ہوا۔ لیکن علم و فن، تعمیر و تمدن اور بہات مالی و ملکی کے متعلق اس نے ایسے کارنامے انجام دئیے کہ جن کا ایسے پرآشوب زمانہ میں پورا ہونا غیر ممکن نظر آتا ہے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ اس وقت تک ملک عنبر نے ملک کو داخلی فتنہ و فساد سے پاک کر دیا تھا اب اس کو اندیشہ تھا تو مغلوں ہی کا۔ ورنہ ہمسایہ حکومتیں خود مغلوں کی دھاک سے خاموش تھیں۔ اور اپنی اپنی غیر مشارہی تھیں۔ مغل بھی شمالی ہند میں اپنے اندرونی معاملات کی اصلاح میں مصروف تھے۔ اس اثنا میں ملک عنبر نے وہ تمام علاقے جو غیروں نے چھین لئے تھے ازسرنو فتح کئے۔ عادل شاہ اور قطب شاہ سے بھی ان محالات کو تصرف میں لایا جو انہوں نے غصب کر لئے تھے۔ ان علاقوں کو بھی دست اختیار میں لایا جو کبھی نظام شاہی حکومت سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اس نے ملکاپور (برار) تک علاقہ جو برہان پور سے ۸ کروہ تھا اور قلمرو مغلیہ میں شامل تھا فتح کیا۔ سورت (گجرات) پر تاخت کی۔ اب اسکی قلمرو میں سرحد تلنگانہ سے ساحل بحیرہ عرب تک اور شمالاً جنوباً نربدہ سے سرحد کرناٹک تک کی سرزمین داخل تھی۔

۱۲
بارھواں باب

مہم دکن پر جہانگیر کی تیاریاں

جہانگیر نے سنہ ۱۰۱۴ میں سریر آرا ہوتے ہی دکن کی طرف بطور خاص توجہ کرنی چاہی لیکن خسرو کی بغاوت اور فتنہ کے سبب سنہ ۱۰۲۰ تک اس مہم کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ پھر جب ادھر سے فراغت اور چین نصیب ہوا تو دکن کے معاملات پر نظر ڈالی۔

دکن کی مہمات پر خان خاناں مامور تھا۔ ان تمام شکستوں اور پسپائیوں کا الزام جو دکن کے معاملات میں ہوئیں خان خاناں کو دیا گیا۔ خان خاناں برہان پور میں تھا، مخالفوں کو اس کی عدم موجودگی میں خوب موقع ملا۔ انہوں نے دل کھول کر برائیاں کیں اور یہ علانیہ کہا گیا کہ وہ ملک عنبر سے سازباز رکھتا ہے۔ ابوالفضل نے بھی اس الزام کی بنیاد میں بڑا زبردست حصہ لیا تھا۔ چنانچہ اس نے اکبر اعظم

شہزادہ مراد، دانیال اور جہانگیر کو متعدد بار صاف صاف لکھا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفضل کے وہ اقتباسات درج کئے جائیں جن میں اس نے خان خاناں کو ملک عنبر کی دوستی کا الزام دیا ہے۔

آگرہ سے سفر میں دانیال کو ایک عرضداشت میں لکھتا ہے۔

"عبدالرحیم بدکردار عنبر رو سیاہ برگشتہ روزگار کے ساتھ یک دل و یک زبان ہو کر فیلسوفی کر رہا ہے خدا ے عزوجل حق پر ہے۔ ناحق کو اس کی درگاہ میں رواج نہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کا کام ہمیشہ تنزل میں رہے گا اور اس خاندان سے شرمندہ ہوگا آقائے ابوالفضل! جہاں تک ہو سکے اسے اپنے ارادوں سے آگاہ نہ کیجئے"۔[1]

جہانگیر کو لکھتا ہے:

"کئی دفعہ اس کی (عبدالرحیم خان خانان کی) بے باکیاں اور نادرستیاں دیکھ لی ہیں، اور صریح کارہاے ناشایستہ اس سے ہوئے ہیں چنانچہ اس کے خطوط جو غیر برگشتہ روزگار کو لکھے تھے وہ کاغذ ہاتھوں سے لے کر شاہزادے کو دکھائے نقل درگاہ والا (دربار اکبری) میں بھیج دی کچھ نہ ہوا اور اس کا کچھ بھی نہ کر سکے۔ میں نامراد کس حساب اور کس شمار میں ہوں"[2]

---

[1] ملاحظہ ہو رقعات ابوالفضل قلمی مخزونہ کتب خانہ آصفیہ۔ یہ ترجمہ محمد حسین آزاد کا ہے
[2] دربار اکبری۔

اپنے عرضداشت میں پھر دانیال کو لکھتا ہے :-

"مہم دکن کو سہل نہ جانیں - وہ ایک آہنہ ولنگ ہم بے دشمن گھات میں ہے ان چند لوگوں کے ساتھ کہ جو محرم راز ہیں، بٹھا لیجئے اور مشورت کیجئے کیونکہ دیوار ہم گوش دارد، عنبر روسیاہ کے وکیلوں کو ہمیشہ (اپنی محفل میں) حاضر جانئے۔ ابھی مجلس والا میں کوئی بات ہونے نہ پائی کہ اس تک پہنچ گئی اور وہ آگاہ ہو گیا۔ قبلہ من! عبدالرحیم سے خبردار رہیئے اور اس پر یکدلی کا بھروسہ نہ کیجئے اس کی زبان اس کے دل سے موافقت نہیں کرتی ہے .... اس سے خبردار رہیئے کیونکہ سب کے دلوں میں اس کی جگہ ہے اور وہ عنبر کا جاسوس ہے۔ اور اس کے جاسوس حد و شمار سے باہر ہیں۔ ایک ایک حرف کو وہ ہزار جاسوس سے اس تک پہنچائے ہیں اور وہ ہزار طریقوں سے عنبر کو کہتا ہے۔ ہر وقت اس کے دماغ میں عنبر بس رہا ہے۔ یہ جو دکن کی مہم تعویق میں پڑ گئی ہے جس کی بدولت ہے فردوس آشیاں مرحوم و مغفور شہزادہ مراد نے اس کے سرگرمی میں کوئی تقصیر نہیں کی تھی اور قریب تھا کہ تمام ملک دکن مفتوح ہو جائے۔

(ہمارے فتح مند) گھوڑوں کے سم وہاں تک پہنچ گئے تھے کہ
جہاں بادشمالی کا گزر نہیں اور خیال کو راہ نہیں۔ ہمارے تھانے
بیٹھ گئے تھے اور ہم نے دکنیوں کے سینوں پر اپنی منزلیں بنائی
تھیں۔ ایسے معاملہ کو کس نے درہم برہم کر دیا اور ایسی بنی بات
کس نے بگاڑی ؟" [1]

دنیوی جاہ وجلال دوست کے ساتھ دشمن بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ خان خاناں کے دربار اکبری میں کئی رقیب اور دشمن بھی تھے، چنانچہ تاریخوں میں ابوالفضل اور خان خاناں کی رقابت کی داستانیں موجود ہیں۔ ابوالفضل کے مجرد بیان پر تسلیم کر لینا کہ خان خاناں ملک عنبر سے ساز باز رکھتا تھا کسی طرح مناسب نہیں۔ "خان خاناں ملک عنبر کے عزمہائے بلند سے واقف تھا اور اس کی دلیری وشجاعت کا قائل۔ وہ حکمت عملی سے دکن کی مہم سر کرنا چاہتا تھا" لیکن ملک عنبر بھی فراست وتدبر سے ناآشنا نہ تھا وہ بھی ان چالوں سے خوب واقف تھا، کیا عجب ہے کہ جب جہانگیر خان خاناں کے بدخواہوں کی مسلسل غیبت سے اس سے ناراض ہو گیا تو ملک عنبر نے معاملات کو پیچیدہ بنانے کے لئے ایک نئی چال چلی ہو۔ اور اپنے ملازم کے ذریعہ جہانگیر تک یہ لگا دی ہو کہ خان خاناں ملک عنبر سے ساز باز رکھتا ہے اس کے خطوط خان خاناں

---

[1] ترجمہ از رقعات ابوالفضل قلمی کتب خانہ آصفیہ۔

کے ملازم عبدالسلام کے پاس موجود ہیں۔ یہ ہمارا قیاس ہے ممکن ہے کہ ملک عنبر کا کوئی ملازم اس سے برگشتہ ہو کر مغلوں سے جا ملا ہو بہر حال اس خبر سے اور ملک عنبر کی مسلسل فتح مندیوں سے جہانگیر کو یقین ہو گیا کہ اس نے عبدالسلام کو قتل کرا دیا اور خان خاناں پر سخت عتاب کا اظہار کیا۔ اس کو برہان پور سے بلایا۔ خان خاناں ۱۰۱۸ھ برہان پور سے دہلی پہنچا۔ جہانگیر غضب ناک ہوا سخت ملامت کی۔ خان خاناں کے مخالفین یہ سمجھے کہ اب حضرت کی ہوا بگڑی، طعن و تشنیع کے لئے اپنی زبان دراز کر دی۔ خان خاناں ناچار ہو رہا۔

اس اثنا میں یہ خبر پہنچی کہ ملک عنبر نے قلعہ انتور (جو اس پہاڑی پر واقع ہے جو خاندیس کو سطح مرتفع دکن سے الگ کرتی ہے اور جو خان خاناں کی بدولت قلمروئے مغلیہ میں شامل ہوا تھا) کو فتح کر لیا۔ یہ خبر پہنچتے ہی جہانگیر غصہ میں پیچ و تاب کھانے لگا اور بہ نفس نفیس مہم دکن پر جانے کا عزم کیا جہانگیر کی عزیمت دکن کی خبر جب اس کی والدہ کو ہوئی تو وہ مضطرب ہو کے جہانگیر کے پاس روتی ہوئی آئی اور منع کیا۔ ہم اس کی نصیحت کو تفصیل سے لکھتے ہیں۔ اس میں خان خاناں کی سفارش کا بھی پہلو ہے۔

اس نے کہا :-

" تیرے دونوں نوجوان بھائی جو خلافت اور سروری کے ہر طرح
لائق تھے دکن کی مہم کے نذر ہوئے ۔ دکن کی مہم کا قصد نیک
شگون نہیں ہے ۔ اگر دکن کی سرزمین زر و جواہر سے بٹی پڑی
ہے تو بھی تجھکو اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھنا چاہیئے ۔ حق
تعالیٰ نے تجھکو ہندوستان جیسی وسیع و عریض مملکت فرمانروائی
کے لئے بخشی ہے ۔ تجھکو اس پر قناعت کرنی چاہیئے اور لالچ
کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیئے ۔ اگر دکن کی مہم ناگزیر ہے تو اپنی
درگاہ کا مخلص فدوی خان خاناں ہے وہ موروثی وفا شعار ہے
اس نے کبھی بندگی اور فدویت کی راہ سے قدم نہیں ہٹایا اس
دولتخواہی میں اس نے ایسے درخشاں کارنامے انجام دئے ہیں
کہ ہمیشہ یادگار رہیں گے ۔ تسخیر گجرات اور مہم دکن میں اس نے
جان سپاری کے وہ جوہر دکھائے کہ تیرے پدر نامدار کی تلوار
کی دھاک دنیا پر بیٹھ گئی ۔ اب میں تو اس مہم جاں ستاں پر
اسی وفا شعار کو مامور کر دے اور اس کی سرکردگی میں ایک
جان سپار لشکر بھیجے بفضل حق تیرا بخت رسا اور تیرا اقبال
بلند ہے ۔ امید ہے کہ تیرا ہی عزم بار آور ہو "

جہانگیر پر اپنی مہربان ماں کی نصیحت اور بعض مشیروں کی صلاح کا یہ اثر ہوا کہ اس نے دکن کا ارادہ فسخ کر دیا اور خان خاناں کو بلایا اس سے بہت لطف کا برتاؤ کیا۔ دلاویز لفظوں میں اس کی تسلی کی اور ہر طرح کی مہربانی و کرم کے وعدے کئے۔ طرح طرح سے اس کے دل کو رام کیا۔ خان خاناں جگر سوختہ تھا پہلے دکن کی دشواریاں دکھائیں۔ عادل شاہ، قطب شاہ اور دیگر راجگان دکن کے خیل و حشم اور افواج و عساکر کا بیان کیا۔ ملک عنبر کے عزم ہائے بلند کا ذکر کیا اور پھر عرض کیا کہ ان طعنہ زنوں اور دروغ باقوں کو ذرا بھی دکنیوں کی حالت اور معالات دکن کی پوری خبر نہیں اور نہ انہوں نے وہاں کی سختیاں جھیلیں ہیں۔

کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

اب موقعہ ہے اگر حضور اُن میں سے کسی کو متعین کر دیں اور فدوی کو کفش برداری کی عزت دیں تو ایک طرف تو وہ بھی تجربہ کر لیں گے اور دوسری طرف فدوی کو سعادت قرب حاصل ہوگی۔ جہاں گیر نے بہلا پھسلا کر اس کو ہموار کر لیا۔ خان خانان اس شرط پر رضامند ہوا کہ اس فوج کے علاوہ جو پہلے سے دکن میں موجود ہے بارہ ہزار فوج اور دس لاکھ روپیہ عطا کیا جائے تو دو سال کے اندر مہم دکن کو سر کر لوں گا۔ جہاں گیر نے اس کو پنج ہزاری کا منصب عنایت کیا اور مہم دکن پر مامور کیا۔ دوسرے چند امرا کو بارہ ہزار سوار کیساتھ

اس کے ہمراہ کیا اور دس لاکھ روپیہ نقد دیا۔

اس مدد کے ملتے ہی خان خانان تسخیر دکن کے قصد سے برہان پور میں قیام گیر ہو گیا اور دکن کے حکمرانوں سے میل جول اور اختلاط بڑھانے لگا۔ ان کو خطوط لکھے۔ ملک عنبر کو بھی ایک خط لکھا جس میں بڑی دوستی اور خلوص و محبت کا اظہار کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ملک عنبر نے بھی خان خانان سے ملاقات کی اس کے سات آٹھ مہینے بعد جہانگیر کو کچھ خیال ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے شہزادہ پرویز کو دکن کی مہم پر بھیجا اس کو بیس ہزار سوار دس ہاتھی اور بیس لاکھ روپیہ عنایت کئے۔ آصف خاں کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ امیر الامرا اور اس کے قبیل کے کئی امیروں کو اس کے ہمراہ کیا اور جب دیکھا کہ کمک کی اور ضرورت ہے تو دس بارہ ہزار سوار پھر خان خاناں کو مرحمت کئے۔

تیرھواں باب

افواج جہانگیری کے مقابلہ میں تیاریاں

ملک عنبر پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ مغل نچلے نہیں بیٹھینگے اور پھر جب اس نے دیکھا کہ جہانگیری افواج نئے جوش و خروش اور پورے ساز و سامان کے ساتھ آرہی ہیں تو مورخین لکھتے ہیں کہ اس نے عادل شاہ اور قطب شاہ سے دولت نظام شاہیہ کے حفظ ناموس کے لئے مدد مانگی - اور انھوں نے محض اسی خیال کے تحت مدد کی - لیکن ہمارا خیال ہے ان سلاطین کو ملک عنبر نے آگاہ کر دیا کہ اگر اس کا ساتھ نہ دیا گیا تو دونوں حکومتوں کی خیر نہیں، وہ اب تک مغلوں سے لڑتا بھڑتا رہا - اب بھی اگر اس کو مورچے پر دے کر دونوں سلطنتیں پناہ لیں تو یہ ممکن نہیں - چنانچہ جب ملک عنبر نے دونوں ریاستوں سے مدد طلب کی تو فوراً قبول ہوئی بیجاپور سے قلعہ قندھار ملا - یہ وہ قلعہ ہے جس کو ۹۹۵ھ میں برید شاہ سے برہان

نظام شاہ نے فتح کیا تھا اور ۱۰۳۰ھ میں عادل شاہ نے نظام شاہی قبضہ
سے چھین لیا تھا۔ یہ قلعہ ملک عنبر نے خزانہ اور آلات و سازِ حرب کی
نگہداشت کے لئے واپس لیا۔ اور اپنا خزانہ اور ساز و سامان اس میں
جمع کر دیا۔ اس کے متعلقین اس قلعہ میں فروکش ہو گئے تھے۔ اس کے
علاوہ بیجاپور سے دس ہزار چیدہ سوار اور تین لاکھ ہن جو نعل بندی کے
لئے طلب کئے تھے، ملے۔ گولکنڈہ پر سولہ لاکھ روپئے کا سوال تھا قطب شاہ
نے فوراً پورا کر دیا۔ عادل شاہ سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ ملک عنبر کے
بڑے بیٹے عزیز الملک (عبد العزیز فتح خاں) کے ساتھ عادل شاہ کے خانہ
زادوں میں سے کسی ایک کی لڑکی بیاہی جائے یہ شرط بھی پوری ہوئی۔
اور یاقوت خاں کی لڑکی جو دربار بیجاپور کے مخصوصین سے تھا نکاح میں
دی گئی یاقوت خاں کو ابراہیم عادل شاہ اپنا فرزند کہتا تھا، اپنے حرم سے
ایک لڑکی کو اس کے نکاح میں دیا تھا۔ اس سے جو لڑکی ہوئی تھی وہ
عزیز الملک سے منسوب ہوئی۔ اور شادی کے رسوم فوراً بڑی دھوم دھام
سے ادا ہوئے۔ اس کے علاوہ برید شاہ سے بھی کچھ طلب کیا تھا جو فی الفور
پورا کر دیا گیا۔

ملک عنبر نے محض اس امداد پر اکتفا نہیں کیا اور نہ وہ اس برتے پر
لڑ سکتا تھا۔ اس نے خود اپنی قوت بہت بڑھائی تھی۔ اور فوجی تنظیم نہایت

عمدگی سے کی تھی۔ فوجی تنظیم کا ذکر ہم علیحدہ باب میں کریں گے یہاں صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ اس نے واقعات اور اور حالات کا صحیح اندازہ کر کے فوجی نظام قائم کرنے میں غیر معمولی ہوشیاری سے کام لیا تھا۔ جس کی بنا پر وہ مغلوں کی زبردست فوجی قوت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا۔

چودھواں باب

جنگ کا آغاز

پہلا مقابلہ ملک عنبر کی فتح

خانخاناں اور ملک عنبر کی خط و کتابت اور ملاقات کا حال معلوم نہ ہو سکا لیکن جب مغلوں کی فوجیں پورے ساز و سامان کے ساتھ برہان پور میں جمع ہو گئیں تو وہ جنگ کیلئے بالکل آمادہ تھے۔ ملک عنبر نے صلح کا پیمان باندھا تھا اس لئے جنگ کا آغاز جلد نہ ہو سکا۔ کوئی وجہ معلوم نہیں کہ یہ صلح کیوں قائم نہ رہ سکی۔ قرین قیاس یہ ہے کہ مغلوں کی یہ صلح جنگ کی تیاری کے لئے تھی ؎

صلح نے اک مہلت سامان جنگ کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ

(حالی)

اب جب مغلیہ افواج پوری تیاریوں کے ساتھ جمع ہوگئیں
تو خانخاناں نے کسی نہ کسی بہانے چھیڑ شروع کر دی اور شہزادہ
کے پہنچتے ہی حکم دیا کہ نظام شاہی ملک پر حملہ آور ہوں ۔ ملک
عنبر نے بھی فوراً جنگ کیلئے کمر باندھی اپنی فوج کے ساتھ عادل شاہ
کے دس ہزار اور امیر برید کے دو ہزار سپاہیوں کو لے کر
مقابلہ کے لئے سرحد پر جا پہنچا ۔ اس نے اپنی سرحد کو بڑی عمدگی
سے محفوظ کر دیا تھا تاکہ دشمن ملک میں گھسنے نہ پائے ۔ جب
ملک عنبر اپنی فوج کے ساتھ عادل شاہی اور برید شاہی سپاہیوں
کو لے چلا تو خان خاناں کو خبر ہوئی ۔ اس نے جہانگیر کو لکھا
اہل دکن کا بڑا اجتماع ہے دکن میں جو شاہی افواج ہیں ان
سے کام نہیں چل سکتا ۔ مزید کمک کی ضرورت ہے جہانگیر
نے سختی ہی سے دکن کا عزم کیا لیکن اپنی ماں اور امرا کے
کہنے سے رک گیا ۔ اور روپیہ اور فوج خان خاناں کی مدد
بھیجی ۔ ملک عنبر نے جب یہ رنگ دیکھا تو اس نے بھی
عادل شاہ سے مزید امداد طلب کی، مگر ابراہیم عادل شاہ
مجبور تھا اور جنوبی دکرناٹک میں شورش ہو گئی تھی اور
بغاوت کا اندیشہ تھا ۔ مفسدوں نے جب دیکھا کہ عادل شاہ

کی فوجیں ملک عنبر سے مل کر مغلوں کے مقابلہ میں گئی ہیں تو
فساد بپا کر دیا، عادل شاہ اس کے رفع دفع میں مصروف
تھا اس لئے تین چار ہزار سپاہیوں سے زیادہ نہ بھیج سکا۔
ملک عنبر نے بھی دس ہزار مرہٹوں کو فوراً جمع کیا اور فوجی
تربیت کر کے ان کو مقابلہ کے لئے لایا۔ دونوں فوجیں مقابل
ہو گئیں۔ ملک عنبر کے فوجی مرہٹوں نے لوٹ کھسوٹ مچائی
مغلوں کی فوج کے گرد و نواح میں دس کوس تک رسد
کا نشان تک نہ چھوڑا۔ کھڑی کھیتی کو جلا کر بھسم کر دیا دونوں
فوجوں سے بہادر سپاہی شامل ہوئے۔ مغلوں کے دس ہزار
سپاہی اور چارپائے مر گئے۔ لاشوں کے سڑنے سے جنگل کی ہوا خراب
ہو گئی۔ مغلوں کی فوج بہت خستہ حال اور بے دم ہو گئی
کھیتی کے جل جانے سے قحط کی مصیبت اس کے سوا تھی۔
مگر مرہٹے لوٹ مار اور قتل و تاراج میں بالکل تازہ دم تھے
شہزادہ پرویز گھبرا گیا۔ اس نے امراء سے مشورہ کیا۔ انہوں
نے صلاح دی کہ دکن میں داخل ہو جانا چاہیئے تاکہ قحط کی سختی دور
ہو جائے۔ خان خاناں نے جو اس وقت برہان پور میں تھا
دکن میں داخل ہونے سے روکا اور کہا کہ آج کل گرما کے موسم میں

ہر جگہ علوفے اور آذوقے کی کمی ہے۔ مناسب ہے کہ برہان پور
مراجعت فرمائی جائے، اور جب فوجیں ذرا ستالیں تو
تو حملہ آور ہونا مفید ہوگا، امرائے دہلی خانخاناں کے
مشورہ کو خاطر میں نہ لائے، اور عادل آباد تک شہزادہ
کو بڑھا لائے، خانخاناں بھی ساتھ تھا، ایک کوہستان
میں شہزادہ کی فوج پھنس گئی، بے موسم بارش خوب برسی۔
مرہٹے جو دائیں بائیں آگے پیچھے مغلوں کو لوٹتے آرہے
تھے ایسے موقع پر اور بھی دلیر ہوگئے اور خوب دل کھول کر
لوٹ مار اور قتل و غارت کی دھوم مچادی۔ مغلوں کی فوج
سخت تنگی میں پڑ گئی۔ امرائے دہلی اپنی سوء تدبیری پر
نادم ہوئے خانخاناں سے معذرت کی، اور کہا کہ کوئی
تدبیر ایسی نکل آئے کہ برہان پور واپسی ممکن ہو۔

بساتین سلاطین میں لکھا ہے کہ خانخاناں نے ملک عنبر
اور ابراہیم عادل شاہ کو بڑی منت سے لکھا کہ اس فوج
میں جہانگیر بادشاہ ہند کا بیٹا ہے اس کو گزند نہ پہنچے، اور وہ بعافیت
تمام برہانپور پہنچ جائے۔ خانخاناں کے ذریعہ صلح کی
شرائط طے ہوئیں شرائط بہت سخت تھیں اور مغلوں کی شان

۱؎ در حوالی برہان پور

کے منافی۔ جب پرویز واپس برہانپور گیا تو ملک عنبر نے احمد نگر کی طرف توجہ کی۔ دس برس سے اس پر مغلوں کا قبضہ تھا۔ مرہٹوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ قلعہ دار خواجہ بیگ مرزا صفوی جو شاہ طہماسپ صفوی کے عزیزوں میں تھا۔ بڑی مردانگی سے مقابلہ کرتا رہا۔ مگر جب پرویز کی شکست کا حال معلوم ہوا اور محصور فوج ہراساں ہوئی تو مجبوراً اس کو قلعہ خالی کرکے برہانپور جانا پڑا۔ ۱۰۱۹ھ میں دس سال کے بعد قلعہ احمد نگر ملک عنبر کے قبضہ میں آگیا۔

پندرھواں باب

دوسرا مقابلہ ملک عنبر کی فتح

جہانگیر کو جب شہزادہ پرویز کی شکست کا حال معلوم ہوا تو اس کو سخت رنج ہوا۔ بنگال کی مہم سے جو اسی زمانے میں سر ہوئی تھی اتنی خوشی اس کو نہیں ہوئی جتنا رنج دکن میں ناکامی سے ہوا۔ اب اس نے یہ تجویز کی کہ دکن کے قریب کے تمام شاہی صوبوں کی فوجیں متفق ہو کر بیک وقت حملہ آور ہوں تاکہ اب تک جو نقصان اٹھانا پڑا اس کی مکافات ہو جائے۔ سب سے پہلے خان اعظم کو تیس لاکھ روپیہ بارہ ہزار سوار اور چند حلقۂ فیل مرحمت ہوئے۔ مہابت خان کو حکم ہوا اور لشکر دیا کہ وہ خان اعظم کو افواج و عساکر سمیت برہان پور پہنچا دے اور ان حدود

میں اس کی سرداری کا حکم امرا کو سنا دے ۔ اور دکن کے
حالات سے واقف ہو کر خان خاناں کو ہمراہ لیتا آئے ۔

عبداللہ خان حاکم گجرات کو ناسک ترنبک کے راستے
سے دکن جانے کا حکم ہوا ۔ اس کے ہمراہ رام داس، سیف خان،
خانِ عالم، علی مردان بہادر، اور لطف خان جیسے معتبر امرا
تھے ۔ کل فوج چودہ ہزار کے قریب تھی ۔ برار کی جانب
سے جانے کے لئے خان جہاں لودھی کو پہلے ہی سے حکم
ہو گیا تھا ۔ اس کے ہمراہ راجہ مان سنگھ امیر الامرا اور دیگر
امرا تھے ۔ دونوں سپہ سالاروں کو حکم ہوا کہ منزل بمنزل
نقل و حرکت سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں، اور
ایک معین تاریخ پر دونوں جانب سے حملہ آور ہوں

عبداللہ خان جب گھاٹیوں کو عبور کرتا ہوا سرحد دکن
میں پہنچا تو چاہا کہ تنہا اپنی فوج سے حملہ آور ہو کر بازی جیت
جاؤں اس سے نام بلند ہو گا ۔ ملک عنبر کو خبر پہنچی کہ
عبداللہ خان سرحد پر پہنچ گیا ہے اور اس کے ہمراہ زبردست
لشکر ہے ۔ تو اس نے اپنا توپ خانہ بھیج دیا ۔ جنوب
میں ڈچ اور پرتگیز تھے اس لئے توپ و تفنگ کا رواج ان کی

وجہ سے دکن میں زیادہ ہو گیا تھا۔ ملک عنبر کا توپ خانہ جہانگیر کے توپ خانہ سے اچھا تھا۔ اس نے عبداللہ خاں کی فوجوں کے مقابلہ میں کئی ہزار آتش فشاں بان بھی مقرر کئے، یکہ تاز خوش اسپ مرہٹے آگے بڑھے، مغلیہ افواج سے چار چار یا پنج پانچ کوس دورہ کر چھاپے مارنا شروع کیا، لوٹ مار مچائی، برگے گری سے مار دھاڑ شروع کر دی۔ باربرداری کے چوپائے اور اونٹ چھین کر لیجانے لگے۔ ملک عنبر کے لشکر کا غلبہ ہوتا جاتا تھا اور ہر روز اس کی فوج میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ کوئی مستقل صف بندی جنگ نہ ہوئی لیکن عبداللہ خاں کی آدھی فوج تلف ہوگئی۔ عبداللہ خاں تنگ آگیا ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ سب نے صلاح دی کہ گجرات واپس ہونا مناسب ہے۔ دوسری بار زبردست لشکر سنگین توپخانے اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ آنا چاہئے۔ ناچار واپس ہونا پڑا۔ ہراول لشکر کو جو دولت آباد کے قریب پہنچ گیا تھا، واپس ہونے کا حکم دیا گیا۔ اہل دکن نے تعاقب کیا۔ چندا اول لشکر کا سپہ سالار علی مردان تھا اس نے

بڑی مردانگی سے مقابلے کیے لیکن مرہٹوں کی تاخت و تاراج اور وقت بے وقت کی لوٹ مار نے اس کو کو بھی تنگ کر دیا تھا اندھیری راتوں میں دائیں بائیں چھاپے مارتے تھے اور آتش فشاں بان پھینکتے تھے۔ ایک مرتبہ ۱۶۱۶ء بارہ ہزار سواروں نے علی مردان کو گھیر لیا۔ اس نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن آخر کار کاری زخم کھا کے گرفتار ہوا۔ مرہٹے زندہ ملک عنبر پاس لے گئے۔ ملک عنبر نے دولت آباد کے قلعہ میں اس کو رکھا۔ علاج کے لئے جراح مقرر کیا۔ زخم کاری کھایا تھا، جانبر نہ ہو سکا۔ اقبال نامۂ جہانگیری میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے اس کے سامنے کہا "فتح آسمانی است" اس نے جواب دیا "فتح آسمانی است مگر میدان از ماست" ملک عنبر کے سپاہیوں نے بکلانہ کی سرحد تک لشکر شاہی کا تعاقب کیا۔

جہانگیر کے حکم کے مطابق دونوں لشکر متفقہ طور پر حملہ آور نہیں ہوئے بلکہ آپس کے نفاق کی وجہ سے خاں جہاں اور دوسرے سرداروں نے عبداللہ خاں کا ساتھ دینے میں کوتاہی کی اور آہستہ آہستہ مدد کو جانے لگے وہ بھی ان کی

کمک سے بے نیاز رہا۔ جب شکست کی خبر خان جہاں
لودھی کو لگی تو وہ راستہ سے لشکر سمیت لوٹ گیا۔ اور عادل پور
(قریب برہانپور) شہزادہ پرویز پاس چلا گیا۔ عبداللہ خاں
بھی شکست کھا کے گجرات چلا گیا۔ یہ واقعات سنہ ۱۰۲۱ھ کے
ہیں۔

سولھواں باب

تیسرا مقابلہ۔ ملک عنبر کی شکست

مسلسل شکستوں اور پسپائیوں سے جہانگیر کا عجب حال ہو گیا تھا ان پسپائیوں کا سبب ملک عنبر تھا۔ اس نے یہ سوچا کہ کسی طرح اس بانی فساد حبشی کا خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ جہانگیر لکھتا ہے کہ ملک عنبر کو قتل کرنے کیلئے سنہ ۱۰۲۴ھ میں[1] ہزار راجپوتوں کی ایک جماعت مقرر ہوئی راجپوت گھات میں لگے رہے۔ ایک روز ان کو موقع ملا، وہ سب ملک عنبر پر ٹوٹ پڑے، زخمی ہوا لیکن اس کے سپاہیوں کو اطلاع ہوئی، انھوں نے بچا لیا۔ اگر زخم ذرا کاری لگتا تو اس کا کام تمام تھا۔

---

[1] تزک جہانگیری

یہ تدبیر بھی بروئے کار نہ آئی، دلی آرزو گھٹ کے رہ گئی اور جب عبداللہ خاں کی شکست کا حال معلوم ہوا تو غصہ میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس نے ابوالحسن سے مشورہ کیا، اس نے صلاح دی کہ دکن کی کہنہ ولنگ مہم کو خان خاناں ہی سر کریگا، دوسرے امراء نے بھی تائید کی۔ جہانگیر نے خان خاناں کو جو بلا لیا گیا تھا، ابوالحسن کے ہمراہ دکن جانے کا حکم دیا۔

اسی اثناء میں بعض دکنی امیروں نے امرائے جہانگیری سے صلح و آشتی کی گفت و شنید کا آغاز کیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے دوستی و دولت خواہی کا طریقہ اختیار کیا اور کہا کہ اگر معاملات دکن میرے تفویض کر دئیے جائیں تو بادشاہ کے گئے ہوئے اضلاع دلا دونگا۔ جہانگیر نے خود اس کا تصفیہ نہیں کیا بلکہ خان خاناں پر چھوڑ دیا۔[۲]

ابراہیم عادل شاہ جب مغلوں سے مل جانے آمادہ ہو گیا تو ملک عنبر کے بعض امیروں کی نیت میں فتور آیا، وہ بھی کسی

---

[۲] واقعات جہانگیری

بات پر کشیدہ خاطر ہو کر مغلوں سے جا ملے، ان میں
اودے رام۔ جادو رائے، بابو رائے کائتھ اور آدم خان
حبشی مشہور رہیں۔ ان کے علاوہ چند اور سردار بھی تھے۔
یہ سب سردار شاہ نواز خان پسر خان خاناں کے پاس
گئے جو بالاپور دبرار میں اپنے باپ کی طرف سے سردار
فوج تھا۔ شاہ نواز خان نے خوشی کے شادیانے بجوائے
ہر ایک کو خلعت، جواہر، اونٹ، ہاتھی عطا کئے۔
جب یہ سب سردار مغلوں سے جا ملے اور ابراہیم عادل
شاہ کی نیت بھی ڈانواڈول نظر آنے لگی، تو شاہ نواز خان
کی ہمت بڑھی، اس نے فوراً ملک عنبر کے مقابلہ میں کمر
باندھی لشکر اور توپ خانے کو لے چلا۔ ملک عنبر کی
اس فوج کے مقابلے کیلئے جو بادشاہی محالات میں پھیلی
ہوئی تھی اور بادشاہی پرگنوں سے تحصیل زر کرتی تھی محلدار
خان، یاقوت خان آتش خان ولد دلاور خان کو ملک عنبر
کے امرا سمیت ایک زبردست توپ خانے کے ساتھ بطریق
ہراول بھیجا۔ ملک عنبر کے سپاہی سب طرف سے جمع ہوئے
اور بادشاہی فوج کے مقابل ہو گئے۔ پہلے ہی حملہ میں ملک عنبر

کی فوج کو شکست ہو گئی۔ یہ خبر سنتے ہی ملک عنبر کے سینے میں غیرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ خود لشکر کو آراستہ کیا۔ بے شمار پیادے، جنگی ہاتھی، اور توپ خانہ دولت آباد کی طرف سے لے چلا۔ تیزی سے یہاں تک بڑھتا چلا گیا کہ دونوں لشکروں کے درمیان چھ کروہ کا فاصلہ رہ گیا۔ درمیان میں ایک نالہ حائل تھا۔ یاقوت خاں ملک عنبر کی فوج کے طریق جنگ سے خوب واقف تھا، اس نے میدانی لڑائی کو مناسب نہ سمجھا اور جنگ کیلئے ایسی جگہ تجویز کی کہ جس کے قریب کیچڑ اور دلدل سے بھرا ہوا نالہ تھا۔ نالہ کے روبرو اطراف میں دلیر سپاہی، برق انداز اور تیرانداز مقرر کئے۔ ان کی کمک کیلئے عقب میں جابجا فوجیں مقرر کیں کہ وہ گولوں، بانوں اور دوسرے ہتھیاروں سے اپنے لشکر کی مدد کرتے رہیں، اور دشمن کے لشکر کو درہم برہم ملک عنبر نے بھی دو روز میں اپنی فوج آراستہ کرلی۔ سپاہیوں اور جنگی ہاتھیوں اور توپ خانے کو درست کیا تیسرے روز لڑائی کا آغاز ہوا۔ گولے اور تفنگ کی ضرب اور تیر و بان کے صدمے سے بہت سے دکنی ضائع گئے

ناہموار زمین، دلدل اور کیچڑ کی وجہ سے بہت سے سپاہی
تنگ آ گئے۔ فوج کا اچھا خاصا حصہ دلدل اور کیچڑ میں پھنس
گیا۔ ایک طرف تو سپاہی اور گھوڑے وغیرہ کیچڑ میں پھنس
جاتے تھے اور دوسری طرف سے ان پر تیر، بان اور گولے
برستے تھے۔ سپاہیوں کے ساتھ صدہا ہاتھی اور تازی
گھوڑے بھی مارے گئے۔ یہ حال دیکھ کر اہل دکن کو کمک
دینے والی فوج بھی پلٹ جاتی تھی۔ مغلوں کی فوج مردوں
زخمیوں اور زندوں کو کچلتی جاتی تھی۔ یہ رنگ دیکھ کر
ملک عنبر آپے سے باہر ہو گیا، وہ یکبارگی اپنے دلاور ساتھیوں
سمیت حملہ آور ہوا۔ اور ایسا لڑا کہ لشکر شاہی میں زلزلہ
ڈال دیا، قریب تھا کہ بادشاہی لشکر ہزیمت اٹھائے
اور راہ فرار اختیار کرے۔ لیکن شاہ نواز خاں اور دیانت خان
نے دیکھا کہ ایسی بنی بات بگڑ رہی ہے فوراً ملک عنبر کے
مقابلے میں سیل رواں کی طرح آئے، اس بہادری سے لڑے
کہ ملک عنبر کو پلٹ جانا پڑا۔ وہ دولت آباد کی طرف
چلا گیا۔ اس کے بہت سے ہاتھی، گھوڑے اور تین سو اونٹ
جن پر بان اور کارخانوں کا بار لدا ہوا تھا بادشاہی لشکر کے

ہاتھ آ گئے ۔ مغلوں کے لشکر نے اس کا کھڑکی (اورنگ آباد)
تک مسلسل تعاقب کیا ۔ اس شہر میں گھس پڑے اور
تین روز تک لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا،
تین روز کے بعد واپس ہوئے ۔ اس لڑائی میں جو امراء شریک
تھے ۔ وہ سب انعام و اکرام اور الطاف و مراحم خسروانہ
سے سرفراز ہوئے ۔ یہ واقعات ۱۰۲۴ھ کے ہیں ۔

سترھواں باب

شہزادہ خرم مہم دکن پر۔ اہل دکن سے صلح

جہانگیر نے دیکھا کہ پرویز اور دوسرے سرداروں سے دکن کی مہم سر نہ ہو سکی اور وہاں کے معاملات میں یکسوئی پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو اس نے امرا سے استصواب کیا۔ سب نے صلاح دی کہ شہزادہ خرم کو مہم پر مامور کرنا چاہیے اور اس کے ہمراہ جرار لشکر بھیجنا چاہیئے۔ جہانگیر نے سنہ ۱۰۲۵ھ میں پرویز کو الٰہ آباد کا صوبہ دار مقرر کیا اور خرم کو مہم دکن پر مامور کیا خود بھی اس کی حوصلہ افزائی اور پشت گرمی کے لئے مالوہ کا قصد کیا۔ خرم کے منصب میں اضافہ کیا۔ بیس ہزاری ذات اور دس ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ (یعنی تیز رو)

سوار مقرر کیا۔ چار رقب خلعت قیمتی خنجر، مرصع شمشیر زر و جواہر سے جڑا ہوا پرتلا غرض کہ وہ جملہ مال غنیمت جو اکبر کے زمانہ میں احمد نگر کی مہم میں ہاتھ آیا تھا اور جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی مرحمت کیا۔ مرصع ساز و سامان لیے ساتھ دو راس گھوڑے، اور طلائی ساز کے ساتھ دو نر و مادہ ہاتھی عنایت کئے۔ اس کے علاوہ ۲ دو تسبیح جن میں سے ایک کو اکبر سر پر باندھتا تھا اور دوسری کو حمایل کی طرح گردن میں ڈالتا تھا عطا کیں اور ایک گرانمایہ مالا بھی عنایت ہوئی۔ اس کے سوا امرا کی ایک جماعت بھی شہزادہ کے ہمراہ کیگئی۔ ان کو بھی انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ اور دکن کی مہم پر رخصت کیا اور خود مالوہ کی طرف چلا۔

خرم نے جمعہ سلخ شوال ۱۰۲۵ھ کو دکن کی طرف کوچ کیا، اور برہانپور کا رخ کیا۔ راستے میں چھوٹے بڑے راجوں کو مطیع کرتا ہوا اندوہ تک پہنچا۔ ابراہیم عادل شاہ کی نیت پہلے ہی سے متزلزل ہو رہی تھی، ملک عنبر کے امراء بھی کسی بات پر کشیدہ خاطر ہو کے شاہ نواز خاں سے جا ملے تھے اور ملک عنبر کو شاہ نواز خان کے ہاتھوں شکست بھی

اٹھانی پڑی تھی، ان حالات کے مدنظر جب ملک عنبر نے دیکھا کہ خرم تیاریوں کے ساتھ دکن آرہا تھا تو اس نے ابراہیم عادل شاہ کے سفیروں کے ساتھ اپنے سفیر بھی خرم کے پاس بھیجے۔ خرم نے آب نربدا پر پہنچ کر ان سفیروں کو واپس کیا۔ اور علامی افضل خاں اور رائے رایاں کو بیجاپور بھیجا۔ اور میر کی مخاطب بہ معتمد خاں اور جادو داس کو حیدرآباد دونوں کے نام فرمان لکھا جس میں وعدہ وعید کئے اور یہ اشعار بھی لکھے، جن میں جنگ کی خرابیوں اور صلح کے فوائد کی طرف اشارہ ہے۔

دو شعلہ زیک شمع دارد فہم جنگ   یکی نور صلح و یکی نار جنگ
بود نور صبح شبستاں فروز   ولے نار جنگم بود خانہ سوز

جب بادشاہ کے ایلچی بیجاپور پہنچے تو ابراہیم عادل شاہ نے شہر سے پانچ کروہ دور ان کا استقبال کیا اور جہانگیر کا غائبانہ ادب و احترام کیا، جو محالات اس نے بادشاہی علاقے سے حاصل کئے تھے واپس کئے، چھ لاکھ روپیہ نقد اور پچاس ہاتھی، پچاس عراقی گھوڑے جن کی قیمت ساٹھ ہزار روپے تھی جواہرات اور دوسرے مرصع آلات بھی بھیجے

افضل خان اور رائے رایاں کو دو لاکھ روپئے دیا اور پندرہ لاکھ روپئے کا دوسرا ساماں بھی دیا۔ قطب شاہ نے ابتداً ایلچیوں کی طرف توجہ نہیں کی لیکن جب دیکھا کہ دوسرے صلح کر رہے ہیں تو اس نے بھی تحفہ تحارف بھیجے۔ ایلچیوں کا احترام کیا۔ ملک عنبر نے بھی ان محالات کو واپس کرنے کا وعدہ کیا جن کو اس نے بادشاہی علاقے سے فتح کیا تھا۔ قلعہ احمد نگر کی کنجیاں بھی حوالے کرنی پڑیں۔ رائے رایاں نے قلعہ کی کنجیاں لیں، خرم نے فوراً جاں سپار خاں کو بھیجا۔ بیرام خان میر بخشی افواج خاصہ کو ایک فوج کے ساتھ اس کے ہمراہ کیا اور گھاٹ تک جا بجا تھانے بٹھاتا چلا گیا۔ جاں سپار خاں خرم کے حکم سے قلعہ احمد نگر پر قابض ہو گیا۔ جس روز اس کامیاب صلح کی خبر خرم کو ہوئی تو وہ فرط مسرت سے بے خود ہو گیا۔ اس نے اس کا نام مبارک شنبہ رکھا۔ وقائع اور تقویم شاہی میں اس کا وہی نام برقرار رہا۔

خرم نے جہانگیر کی خدمت میں خوشخبری کا پیغام دیکر عبداللہ خان کو بھیجا۔ اس نے خطاب "سیف خان" پایا۔

عادل شاہ کے نام بادشاہ نے یہ پیغام بھیجا۔

شادی ز النساء شاہ حرم
بفرزندی باشہور عالم

ابراہیم عادل شاہ کو فرزندی کا جب خطاب ملا تو اس نے اس خوشی میں بہت سے تحفہ تحایف بھیجے، اس طرح رفتہ رفتہ جب ابراہیم عادل شاہ نے جہانگیر سے مراسم بڑھائے تو اس کی شبیہ مانگی۔ جہانگیر نے شاہ جہاں کے توسط سے تصویر بھیجی، اس پر اپنے ہاتھ سے یہ شعر لکھے ؎

اے سوئے تو دائم رحمت نما   آسودہ نشین بسایہ دولت ما
سوئے تو شبیہ خویش کردیم رواں   تا معنی ما بینی از صورت ما

اس تصویر کے ساتھ ایک گراں بہا لعل خاصہ بھی بھیجا فرمان لکھا کہ ملک عنبر اور قطب شاہ کے جو علاقے شاہی حوضۂ تصرف میں آگئے ہیں وہ بطور انعام عادل شاہ کو دیے جائیں۔ اس سے عادل شاہ ایک فخر محسوس کرنے لگا، اور دوسرے والیان دکن پر اپنا تفوق جتانے لگا۔ حرم نے دکن کا پورا بندوبست کیا۔ خان خاناں کو خاندیس اور برار کا حاکم مقرر کیا۔ اور بالاگھاٹ کے علاقے کا انتظام شاہ نواز خاں کے تفویض کیا۔ اپنی خاص فوج میں سے تیس ہزار سوار، سات ہزار پیادوں اور برقندازوں کو بھی

دکن میں متعین کر دیا اور باقی ۲۵ ہزار سوار اور دو ہزار توپچی کو لے کر بادشاہ سے ملنے گیا۔ ۱۱ شوال ۱۰۳۵ھ کو حاضر دربار ہوا شاہجہاں کا خطاب پایا بہت عزت ہوئی۔

اٹھارواں باب

ملک عنبر کی تیاری اور فتح یابیاں

ملک عنبر کو شاہ نواز خان کے ہاتھوں شکست کھانے کا سخت رنج تھا اس کے علاوہ جب مغلوں نے والیان دکن سے صلح کی، تو اس میں ابراہیم عادل شاہ سے شرائط طے کی گئیں اور ملک عنبر کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور اس سے صرف تعمیل شرائط کے لئے کہا گیا۔ اس کے غم و غصہ میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ وہ موقع کی تاک تھا۔ اس نے پہلے تو ملک کا داخلی انتظام کیا۔ فوج فراہم کی، معتبر امرا کو جمع کیا۔ ان سرداروں کو جو مغلوں سے جا ملے تھے واپس بلا لیا۔ آدم خاں حبشی، جادو رائے بابو رائے کانیتھ، اودا رام اور دوسرے سرداروں نے مغلوں سے

قطع تعلق کرلیا۔ آدم خان اور ملک عنبر میں کچھ ان بن ہو
گئی جس کے سبب آدم خان قلعہ دولت آباد میں قید ہو کر مارا
گیا۔ بابو رائے اور داودارام ابراہیم عادل شاہ کی سرحد میں گئے۔
اس لئے ان کو داخل ہونے نہ دیا واپس ہوئے۔ بابو رائے
کا کام تو اس کے ایک دوست نے تمام کیا۔ اور داودارام
ملک عنبر سے لڑ کر شاہ جہاں کے پاس چلا گیا۔

اسی زمانے کے لگ بھگ یعنی سنہ ۱۰۳۰ھ میں جہانگیر
کشمیر کی سیر کو گیا۔ اب ملک عنبر کو موقع ملا۔ وہ پہلے ہی قوی
پشت ہو گیا تھا۔ اب جو جہانگیر کی سیر و سیاحت کی خبر سنی
تو فوج کشی شروع کی۔ اس کی فوج کی تعداد کم و بیش پچاس ہزار
تھی۔ اس نے احمد نگر کے اطراف اور بالا گھاٹ سے مغلوں
کو بے دخل کرنا شروع کیا۔ سب امرا سمٹ کر داراب خاں
کے پاس جمع ہو گئے، وہاں کو ان کو چین نہ ملا تو بالا پور پہنچ گئے۔
وہاں بھی ملک عنبر کی فوج پہنچی اور حملہ آور ہوئی۔ راجہ نرسنگ
دیو نے عنبری فوج پر حملہ کیا۔ منصور حبشی زندہ گرفتار ہو اور مارا
گیا۔ بالا پور کے قرب و جوار میں چونکہ سخت ہنگامے ہوئے
تھے اس لئے یہاں مغلوں کے لشکر کو رسد نہ مل سکی۔ ناچار

برہان پور سدھارنا پڑا ۔ ملک عنبر کی فوج نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور برہان پور کا محاصرہ کیا ۔ چھ مہینے تک محاصرہ رہا ۔ اس عرصہ میں ملک عنبر نے پایاں گھاٹ، خاندیس، برار وغیرہ کے بادشاہی علاقہ کو فتح کر لیا اور وہاں سے برابر تحصیل وصول کرنا شروع کیا ۔

جہانگیر کے سردار بہت ہراساں ہو گئے اور عرضداشتیں بھیجنے لگے ۔ خان خاناں نے تو صاف لکھدیا کہ اگر اکبر کی طرح عمل نہ فرمایا جائے تو اس کہن سال خانہ زاد کو رخصت دی جائے[1] ۔ امرا کی مسلسل اور پریشان کن عرضداشتوں پر جہانگیر نے پھر تہیہ کر لیا کہ شاہ جہاں کو مہم دکن پر پورے ساز و سامان کے ساتھ بھیج دیا جائے ۔ سب سے پہلے اس نے مالوے اور آحمد آباد سے بیس لاکھ روپے بطور امداد بھیج دے ۔

---

۱ ۔ عمل صالح

انیسواں باب

شاہ جہاں سے متواتر مقابلے اور صلح

جب جہانگیر کو معلوم ہوا کہ دکن میں ملک عنبر نے غیر معمولی اقتدار حاصل کر لیا ہے اور دکن، خاندیس اور برار کے شاہی علاقے پر متصرف ہو گیا ہے تو اس کو نے شاہ جہاں کو پوری تیاری کے ساتھ مہم دکن پر جانے کا حکم دیا۔ اسے مروارید دوز چارقب خلعت، شمشیر، مرصع خنجر، نقرئی ساز کے ساتھ ہاتھی، زرین زین اور مرصع ساز و سامان کے ساتھ دو گھوڑے عنایت کئے۔ دس کروڑ دام انعام میں دے۔ پہلے تیس[۳۰] ہزاری ذات کا منصب، بیس ہزار دو اسپہ سوار اور چالیس کروڑ کا انعام اس کو حاصل تھا اب اس میں اضافہ کر کے پچاس کروڑ کر دیا۔

بیس[۲۰] نامور معتبر امرا کو اس کے ہمراہ کیا۔ سب کو خلعت، خنجر،
گھوڑے اور ہاتھیوں سے بلحاظ مراتب سرفراز کیا۔ راجہ بکرماجیت
کو خلعت، خنجر مرصع اور گھوڑے اور ہاتھی دئے۔ افضل خان
اور دیگر آٹھ سرداروں کو خلعت اور گھوڑے دئے۔ اور بقیہ
دس امرا کو صرف خلعت دیا۔ دوسرے چند نامدار امرا جیسے
عبداللہ خان، ابوالحسن، لشکر خان، سردار خان، سید نظام
معتمد خان میر بخشی بھی ساتھ تھے، ان کے ہمراہ احدیوں، برقندازوں
کی کثیر فوج تھی اور پچاس لاکھ روپیہ بھی نقد ساتھ کیا۔

شاہجہاں اب پوری قوت اور فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔
ملک عنبر کی بڑھتی قوت سے وہ سخت اندیشہ مند تھا وہ تیزی
سے بڑھتا چلا جا رہا تھا، حتےٰ کہ دریائے چنبل تک پہونچا۔
یہاں جب اس مہم جانستاں کا خیال کیا جس پر وہ مامور تھا
تو لرز گیا۔ اس نازک وقت میں جناب باری میں امداد کا
طالب ہوا۔ جہانگیر نے شاہ جہاں کی چوبیس[۲۴] سال کی عمر میں اس
کو جشن وزن سالگرہ کے موقع پر شراب پلائی تھی۔ اب جب
ایسا نازک وقت آ پہنچا، اس نے درگاہ الٰہی میں بہ خلوص
نیت التجا کی کہ اب شراب سے لبوں کو آلودہ نہ کرونگا۔

چاندی سونے کے جام و سبو اور مرصع ظروف جو بزم عشرت
کی زینت اور محفل سرور کی رونق تھے شہزادہ کے سامنے توڑ
دئے گئے اور ارباب استحقاق پر تقسیم ہو گئے۔ شراب ناب
کی ٹھلیاں اب چنبل میں انڈیل دی گئیں۔ یہاں سے بسرعت
تمام روانہ ہوا۔

چند اشاہی کہ در عہد شباب
شد زتوبہ ہمچو پیران کامیاب

آرام و آسائش کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور اس لشکر کے
ساتھ جو قطرات باراں اور ریگ رواں کی طرح بے شمار
فوجیوں پر مشتمل تھا، باد صرصر کی طرح اجین کی سرزمین میں آ پہنچا۔
اس عرصہ میں ملک عنبر نے اپنی تاخت و تاراج بڑی وسعت
اور سرگرمی کے ساتھ کی۔ اس کی فوجیں مالوے کی سرزمین میں
گھس گئیں آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ منصور حبشی نے مانڈو شادی
آباد کے قلعہ دار محمد تقی پر محاصرہ کرنے کی پوری تیاریاں کر لی
تھیں۔ وہ گھبرایا اور شہزادہ شاہ جہاں کے پاس آدمی بھیجا
کہ یہ وقت کمک کا ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ شادی آباد سے
بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ شاہ جہاں نے فوراً ابوالحسن کو پانچ

ہزار سواروں کے بطریق ہراول بھیجا جب انہوں نے سنا کہ شاہ جہاں کی فوجیں عظیم الشان تیاریوں کے ساتھ قریب پہنچ گئیں تو سات آٹھ ہزار کی فوج ساتھ ٹھیرنا مناسب نہ جانا۔ اس لئے وہ لوٹ گئے۔

اس عرصہ میں شاہ جہاں کا خیمہ شادی آباد پہنچ گیا۔ ملک عنبر بھی تیار تھا۔ اس کی سپاہ کی تعداد ساٹھ ہزار کے قریب تھی اور وہ حوالی برہانپور میں لبطریق محاصرہ پھر رہی تھی۔ جب یہ خبر پہونچی تو بعض مقربوں نے صلاح دی کہ ملکی فوج جمیعت بادشاہی اور سرکاری لوگ سفر کے سرانجام میں پیچھے رہ گئے ہیں مناسب ہے کہ ان کے آنے تک حوالی قلعہ مانڈو میں توقف فرمایا جائے۔ شاہ جہاں نے ایک تدانی اور ۱۶۰۰ ہزار سوار جو اس کے پاس موجود تھے ان کو لیکر دریائے نربدا کو عبور کیا۔ دریا کے کنارہ سے عبداللہ خاں جو عمدہ ملکی تھا دو ہزار سواروں کے ساتھ شاہ جہاں سے ملا۔ اب شاہ جہاں نے فوج بندی شروع کی۔ عبداللہ خاں ایک اتمود دہ کار سردار تھا اس لئے اس کو ہراول مقرر کیا۔ راجہ بکرما جیت کو برنغار اور خواجہ ابوالحسن کو جبرنغار مقرر کیا۔

اور خود قلب پر متعین ہو گیا۔ برہانپور یہاں سے چار منزل پر تھا،
لیکن ملک عنبر کی فوج اس قدر مسافت اپنی تاخت میں ایک
دن میں طے کر سکتی تھی۔ اور شب خون کا بہت اندیشہ تھا،
اس لئے شاہ جہاں نے اپنے لشکر کی حفاظت راتوں کو بھی
دن کی طرح کی۔ جب وہ برہانپور کے قریب پہنچا تو خان جہاں
اور داراب خان نے عرض کیا کہ آپ کی تشریف آوری کے
باوجود ملک عنبر کی فوجیں یہاں سے نہیں ہٹی ہیں۔ بلکہ چار
پانچ کوس کے فاصلہ پر موجود ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
اس کی قوت بہت بڑھ گئی ہے، اب مناسب یہ ہے کہ برسات
کے باقی دو مہینے دریائے پورنا کے کنارے جو یہاں سے ۱۴-۱۵ کوس
کے فاصلہ پر ہے گزارے جائیں، اور بارش کا موسم گزر جائے
تو دشمن پر چڑھائی کی جائے۔ شہزادہ نے توقف کو مضر خیال
کیا اور یہ سمجھ کر دشمن کی قوت روز بڑھتی جائیگی اور ذرا سی کاہلی
میں وہ فراخ حوصلہ اور بلند ہمت ہو جائیں گے۔ اس لئے فوراً
چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے بخشیوں اور دیوانیوں کو
حکم دیا کہ جن لوگوں کی جاگیریں ملک عنبر کے قبضے میں چلی گئی ہیں
اور جن کی جاگیریں ویران ہیں انہیں تنخواہوں کے مطلوبے دئیے اور

ضابطہ کی کارروائی کیے بغیر چھ چھ ماہ کی تنخواہ دیدی جائے، اور
اگر ساتھ کا خزانہ کفایت نہ کرے تو ان کے ساتھ معتبر سزاول
مقرر کیے جائیں کہ جہاں کہیں سرکاری روپیہ موجود ہو وہاں سے
لاویں۔ منتظموں کو حکم دیا کہ جس کے پاس گھوڑے یا باربرداری
کی سواری اور سامان حرب نہ ہو، اس کے لئے فوراً مہیا کر دیں،
یہ احکام جاری کیے اور خود بھی صبح کی نماز سے عشا تک برابر
انتظامات میں مصروف رہا۔ دو ہی تین دن میں چالیس لاکھ
روپیہ فوج پر تقسیم ہو گیا، افواج اچھی طرح مہیا اور تیار ہو گئیں تو
پانچ سرداروں کے ماتحت تیس ہزار سوار رکھے گئے۔ ان سرداروں
میں عبداللہ خان وداراب خان اور خواجہ ابوالحسن تو شاہی امرا
تھے ہی، راجہ بکرماجیت اور راجہ بھیم داس بھی ساتھ تھے،
انھوں نے بھی اپنے سپاہی جمع کیے۔ شاہ جہاں نے راجہ بکرماجیت
کو سات ہزار سوار اور تمام فوج کی کمان دی، اور داراب خان کو یہ
رتبہ بخشا کہ جنگی معاملات میں مشورہ اس کے روبرو محفل میں ہوا کرے
لڑائی میں چنداول پر دکنیوں کی بڑی مار دھاڑ رہا کرتی تھی، اس
لئے حکم دیا کہ ہر روز ایک سردار باری باری سے چنداول کی عمدگی
سے نگرانی کیا کرے۔ جب یہ سب انتظامات ہو گئے تو بادشاہی

فوج ۲۵ جمادی الاول سنہ ۱۰۳۰ھ کو روانہ ہوئی۔ اور ۳۰ جمادی الاول
کو برہان پور کے قریب چار پانچ کوس پر دریائے تاپتی سے اتری۔
ملک عنبر نے بھی پوری احتیاط اور ہوشیاری سے کام
لیا۔ عادل شاہ اور قطب شاہ نے خاطر خواہ مدد نہیں دی۔ عادل شاہ
تو مغلوں سے مل ہی گیا تھا۔ اس لیے اس سے اگر کسی قسم کی مدد بھی
ملی ہو گی تو وہ شمار اور لحاظ کے قابل نہیں، اگر یہ دونوں سلطنتیں بھی
ملک عنبر کی طرح اپنی پوری قوتیں صرف کرتیں تو افواج جہانگیری
کی مجال نہ تھی کہ وہ بھولے سے بھی دکن کا رخ کرتیں۔

پہلا مقابلہ

جب جہانگیری لشکر دریائے تاپتی سے گزر کر دو
تین کوس بڑھا تو یاقوت خاں جو ملک عنبر کا
بڑا نامی گرامی سردار تھا ایک کوس پیش قدمی کر کے ہراول پر
ناگہانی آ پڑا اور شاہ جہاں کی تمام فوج کو تتر بتر کر دیا۔ بادشاہی
لشکر میں ایک تزلزل پیدا ہو گیا۔ اس روز ہراول کی نگرانی
پر خواجہ ابوالحسن کی باری تھی، وہ پہلے ہی سے منتظر تھا، اور اپنے
ساتھیوں سمیت بڑی ہوشیاری سے نگرانی کر رہا تھا، دکنیوں
کا خوب جم کر مقابلہ کیا۔ یاقوت خاں کے پانسو آدمی مارے گئے
اور چھ سو گرفتار ہو گئے، اس کو مقابلے سے منہ موڑنا پڑا اور واپس

کر فوراً واپس ہوا اور عادل آباد کے گھاٹ کے پار چلا گیا۔ اس کا
بہت ساز سامان مثلاً اونٹ، گھوڑے، چھتری پالکی علم
نقارہ وغیرہ مغلوں کے ہاتھ آیا۔ ابوالحسن کے ساتھیوں میں دو سردار
الہ وردی بیگ اور شیر بہادر زخمی ہوئے۔ شاہ جہاں کی فوج
نے دشمن کا تعاقب دریائے پورنا تک کیا اور عادل آباد
سے پلٹ کر ملکاپور کا رخ کیا۔

دوسرا مقابلہ ابھی شاگرد پیشہ اور خدام لشکر کے پیچھے راستے ہی
میں تھے اور داراب خاں اور بکرماجیت لشکر
کے گرد پھر کے ترتیب سے آ رہے تھے کہ ملک عنبر کی فوج
کے سردار دلاور خان اور آتش خان چودہ پندرہ ہزار سوار سمیت
یکایک آپڑے۔ ایک طرف سے تین ہزار آدمیوں نے مغلوں
کے لشکر پر بان برسانا اور دوسری طرف سے بھیڑ کو لوٹنا شروع
کیا، جس سے ایک تہلکہ مچ گیا اور آشوب و غلغلہ پڑ گیا۔ راجہ
بکرماجیت اور راجہ بھیم نے بھی خوب جم کر مقابلہ کیا۔ ملک عنبر
کی فوج کو لوٹ جانا پڑا، مگر واپس ہوتے ہوتے پھر یکایک
پلٹ پڑی اور لشکر کے بیچ میں گھس کر بزن بکش کی صدا بلند کرنے
لگی اور وہاں سے پھر نکل گئی۔ داراب خاں نے اپنی فوج لے کر ایک

کوس تک تعاقب کیا اور دو سو آدمی مار ڈالے ۔

تیسرا مقابلہ اس کے بعد شاہجہاں کی فوج جب بالاگھاٹ سے نظام شاہی عمل داری میں داخل ہوئی تو پورا لشکر اکٹھا کرنے کے لئے دو روز قیام کیا ۔ یہاں سے ملا محمد تقی ایک ہزار سوار کے ساتھ برار گیا اور محمد خان نیازی کچھ فوج لے کے خاندیس روانہ ہوا تاکہ بادشاہی علاقوں پر قبضہ کرلیں ۔ اس مقام سے جب شہزادہ کا لشکر دو کوچ میں چودہ کوس آگے بڑھا تو ملک عنبر کا ہراول جس کے سردار یاقوت خان، ولاور خان حبشی، آتش خاں، جادو رائے، پینگاٹ رائے اور ساہوجی بھوسلہ تھے مغلوں کے لشکر پر جس کا سردار راجہ بکرماجیت تھا آسمانی بلا کی طرح ٹوٹ پڑا ۔ اد ادھر اُدھر سے بان برسانا شروع کیا ۔ راجہ بکرماجیت بڑی جوانمردی سے لڑتا رہا ۔ اس کی مدد کو سید صلابت خان، سید علی، سید جعفر، سید مظفر (خانوادۂ سادات بارہ) اور راؤ داجی رام دکن فوراً آگئے، بڑا گھمسان کا رن پڑا، پینگاٹ رائے ملک عنبر کے کثیر فوجی سپاہیوں کے ساتھ مارا گیا، شاہ جہاں کی فوج سے بھی چند سردار مارے گئے ۔ سید علی، جمشید خان برادر فرہاد خان (جو مانڈو میں شاہ جہاں کے پاس آگیا تھا) اور سید مظفر کے دو برادر زادے

قتل ہوئے، اس کے بعد کئی پلٹے اور پلٹ کر پھر یاقوت خاں
مغلیہ لشکر پر ٹوٹ پڑا اور ازسرنو اس میں تزلزل ڈال دیا۔
اس حملے میں شاہ جہاں کے پانچ زبردست سردار صادق بہادر
عبدالکریم بیگ، گدا بیگ، خواجہ طاہر اور باقی بیگ مارے
گئے۔ کشتہ سپاہیوں کی تعداد کا حال معلوم نہیں۔ یاقوت خاں
کی فوج میں ملک عنبر کا ایک نامور سردار تھا سات سو آدمیوں
کے ساتھ قتل ہوا۔ یاقوت خاں کو میدان چھوڑنا پڑا۔

متعدد جھڑپیں

مختصر یہ کہ ان قابل ذکر مقابلوں کے علاوہ
ہر روز اس طرح جدال و قتال اور حرب و
ضرب کا بازار گرم ہوتا رہا۔ شاہ جہاں کا لشکر پیہم دھاوے اور جنگی
حملوں کو برداشت کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور عین موسم بہار میں
۷۱؍ جمادی الثانی سنہ ۱۰۳۰ھ کو کھڑکی فتح نگر کے قریب پہنچ گیا۔

چوتھا مقابلہ کھڑکی کی خرابی

کھڑکی کے قریب تین کوس کے فاصلہ پر چیکل تھانے
جب مغلوں کا لشکر پہنچا تو ملک عنبر کی فوج نے
مقابلہ کیا۔ مغلیہ لشکر نے تعاقب کیا۔ ملک عنبر نے جب
یہ رنگ دیکھا تو بہت فکرمند ہو گیا۔ اس نے مرتضیٰ نظام شاہ
کو کھڑکی سے نکالا اور دولت آباد لے گیا۔ ضروری اشیاء بھی

وہیں چھپا دیں ۔ پھر اپنی فوج کو ترتیب دینا شروع کیا اس عرصہ میں شاہ جہاں کی فوج کھڑکی پہنچ گئی ۔ شہر میں گھس کر تین روز تک لوٹ مچائی تین روز کی مسلسل لوٹ گھسوٹ میں اس کو ویران و خراب اور جلا کر خاک کر دیا ۔ ملک عنبر بیس برس سے اس کو آباد آراستہ کر رہا تھا اور بیس سال کی مسلسل تزئین و آرائش سے اس کو بارونق بنا کر دار السلطنت مقرر کیا تھا مگر اس بیدردی سے لٹا کہ برباد ہو گیا۔

پانچواں مقابلہ

تین روز کے بعد ۲۴ جمادی الثانی کو جو مغلیہ لشکر کے کوچ کی تاریخ تھی اس روز بھی زبردست لڑائی ہوئی بہت سے دکنی مارے گئے [illegible] اللہ تعالیٰ نے اس روز فتح پائی ۔

یہاں کیا بات پیدا ہوئی کہ مغلیہ لشکر نے ملک عنبر اور نظام شاہ پر دولت آباد میں حملہ نہیں کیا ۔ بلکہ کھڑکی سے نکل گیا۔

قلعہ احمد نگر کا محاصرہ

ملک عنبر کی ایک فوج نے قلعہ احمد نگر کا محاصرہ ایک مدت سے کر رکھا تھا ۔ جہانگیر کی طرف سے خنجر خان احمد نگر کا قلعہ دار تھا اس نے اب تک روک رکھا تھا ۔ عین اس وقت اس کو رسد کی تنگی ہوئی رفتہ رفتہ بہت نازک وقت آگیا تھا ملک عنبر کو مستحکم قلعوں کی ضرورت تھی

اس لئے اس نے اپنے داماد اور سردار جوہر حبشی کو تاکید کی کہ احمد نگر کو جلد خالی کرالے۔ دکنیوں نے محاصرہ کو بڑی سختی سے جاری رکھا، ادھر شاہ جہاں کی فوج کو بھی رسد کی ضرورت تھی اور احمد نگر کو بچانا بھی ضرور تھا اس لئے مغلوں کے فوجی سرداروں نے احمد نگر سے جوہر حبشی کو ہٹانے اور قلعہ میں ذخیرہ پہنچانے کا تہیہ کر لیا۔ اس ارادہ سے کوچ کیا اور چاہا کہ اس کام کو پورا کرکے ناسک ترمبک کی طرف چلے جائیں، جہاں غلے اور آذوقے کی بہتات اور ارزانی ہے۔ جب احمد نگر کی طرف فوج روانہ ہوئی اور خنجر خان کو اس کی خبر ہوئی تو اس کی جان میں جان آئی، وہ ہمت کرکے قلعہ سے نکلا اور جوہر حبشی پر حملہ آور ہوا دو تین سو آدمیوں کو قتل اور زخمی کرکے اوسے قلعہ سے ہٹا دیا۔

چھٹ مقابلہ

اس اثنا میں احمد نگر کے نصف راستے تک ٹونگی ملن کے قریب بان گنگا کے کنارے شاہ جہاں کا لشکر پہنچ گیا تھا، ملک عنبر نے بھی اس کی روک تھام کے لئے آدمی بھیجے تھے۔ جوہر حبشی بھی احمد نگر سے ہٹ کر ان سے آکر مل گیا تھا۔ راستے میں کوچ و مقام کے وقت راتوں کو اس کی فوج نے شب خون سے مار دھاڑ مچا دی تھی۔ ملک عنبر کی یہ فوج دو حصوں میں منقسم

لشکر پر مونگی پٹن سے دو کوس کے فاصلہ پر حملہ آور ہوئی، شاہ جہاں کی فوج کے سرداروں نے چار پانچ ہزار آدمی رسد اور بار برداری کی نگرانی کو چھوڑے اور لشکر کے حصے کیے۔ داراب خان اور راجہ بھیم نے فوج کے ایک حصہ کو لے کر یاقوت خان پر جس کے ساتھ پندرہ سولہ ہزار کی فوج تھی حملہ کیا۔ بڑی سخت لڑائی کے بعد یاقوت خان کی فوج پسپا ہوئی، دوسری طرف سے عبداللہ خان، راجہ بکرجیت اور خواجہ ابوالحسن ملک عنبر کی فوج کے دوسرے حصہ پر ٹوٹ پڑے، یہ حصہ ۲۰ و ۲۵ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ دلاور خان، آتش خان اور جادو رائے اس کی کمان کر رہے تھے۔ دونوں فوجوں میں بڑے معرکہ کا مقابلہ ہوا۔ دکنی خوب جم کر لڑے تمام مغلیہ لشکر کے چھیتڑے بکھیر بکھیر دئے۔ خواجہ ابوالحسن اور راجہ بکرماجیت نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ طرفین سے بے شمار آدمی مارے گئے۔ آخر کار دکنیوں کو پسپائی ہوئی۔

ساتواں مقابلہ

ادھر مغلوں کی فوج نے یہ کام کیا اور ادھر خاندیس اور برار میں محمد تقی اور دوسرے سرداروں نے جو پرگنوں پر قبضہ حاصل کرنے گئے تھے بڑے نمایاں کام کیے۔ ملک عنبر نے ان کے مقابلے میں جادو رائے کو آٹھ ہزار

سوار کے ساتھ مہال با سکم لینے کے لئے بھیجا گیا اس نے مغلوں کا مقابلہ کیا، لیکن چونکہ راجہ بھیم کی مدد سے مہابتقی کو مل گئی اس لئے جادو رائے نے بزدلی کا اظہار کر کے شکست کھائی اور نمک حرامی کر کے شاہجہاں کے پاس چلا گیا ۔ اس سے یہ ہوا کہ خاندیس اور برار سے ملک عنبر کے قبضہ کی گرفت کمزور ہو گئی ۔

صلح

مسلسل لڑائیوں اور پیہم مقابلوں سے طرفین کافی مضمحل ہو گئے تھے، اور اب چاہتے تھے کہ صلح کی طرح ڈال دی جائے ۔ ایک طرف تو اندرون ملک رعایا کا بڑا نقصان ہو رہا تھا اور دوسری طرف جدال و قتال میں ہزار ہا آدمی ضائع جا رہے تھے اس لئے ملک عنبر چاہتا تھا کہ جنگ کا خاتمہ کر دیا جائے، دوسری طرف شاہجہاں کی فوج بھی بڑی ضیق میں تھی ۔ غلے اور آذوقے کی گرانی تھی، دوسرے جہانگیر کی علالت کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں اس لئے مغل بھی دل سے صلح کے آرزومند تھے ۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی ۔ راجہ بکرماجیت کے پاس ملک عنبر کے سفیر شرائط طے کرنے آئے ۔

ملک عنبر نے کہا پہلی مرتبہ جب صلح ہوئی تو بالا بالا ابراہیم عادل شاہ سے شرائط [illegible] اور [illegible] سے [illegible] تفصیل کے لئے بھیجا گیا ۔

مجھے اس سے بڑا رنج ہوا اور اسی لئے میں نے بادشاہی علاقے
پر قبضہ کرلیا۔ اب اگر مجھ سے شرائط طے ہو جائیں۔ تو ان کی
تعمیل کرونگا۔ مغل اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ آیا حقیقت میں
ملک عنبر صلح پر آمادہ ہے یا نہیں۔ انھوں نے اطمینان کرنے کی
یہ صورت نکالی کہ اگر ملک عنبر قلعہ احمدنگر کا محاصرہ اٹھادے
اور وہاں سامان رسد جانے دے اور راستہ میں مزاحمت
نہ کرے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ آمادہ ہے ملک عنبر کو خبر ہوئی تو
اس نے محاصرہ اٹھادیا اور بلکہ بکرماجیت نے ایک ہزار بندوقچیوں
کے ساتھ جو ایک لاکھ روپیہ بھیج دیا وہ بھی بے روک ٹوک
احمدنگر پہنچ گیا۔ اب مغل سمجھ گئے کہ صلح ممکن ہے تو انھوں نے
شاہ جہاں سے کہا کہ ملک عنبر بھی رضامند ہے مناسب ہے کہ صلح
کرلی جائے۔ شاہ جہاں تو چاہتا ہی تھا۔ بہت خوش ہوا۔
صلح کی شرائط یہ طے ہوئیں۔

اکبر کے زمانہ سے اس وقت تک جو ملک مغلوں نے فتح
کیا تھا، ملک عنبر اسے واپس کرے، اور وہ علاقے بھی دے
جن کی نسبت شاہ جہاں اور ملک عنبر میں طے ہوا تھا کہ دونوں
کا بالاشتراک قبضہ رہے۔ اور جس کی تعمیل میں ملک عنبر نے

اب تک نہیں دیا تھا، یہ علاقہ ۳۵ لاکھ روپیہ کا تھا، لیکن بالاستمرار قبضہ کی کوئی صراحت نہیں تھی کہ یہ کیسا قبضہ تھا۔ نظام شاہ سے بارہ لاکھ عادل شاہ سے بیس لاکھ اور قطب شاہ سے ۱۸ لاکھ اس طرح جملہ پچاس لاکھ روپیہ پیش کش اور خرچ جنگ کے بھر جانے کی بابت ادا کرنے کا اقرار ہوا۔ ملک عنبر نے ذمہ لیا کہ قطب شاہ سے ۵۰ روپیہ وصول کریگا، اور عادل شاہ کی نسبت یہ کہا کہ شاہ جہاں خود وصول کرے۔

جب یہ شرائط طے ہوگئیں تو مغلوں کے انتظامات عمل میں آئے۔ شاہی فوج گھرکی کی طرف چلی گئی۔ بالا گھاٹ میں کوئی قلعہ نہ تھا اور احمد نگر سرحد پر واقع تھا اس لئے گھرک پور کے اوپر گھرکی کے قریب ایک قلعہ بنایا، ظفر نگر اس کا نام رکھا، اور اسے صدر مقام قرار دیا، راجہ بکرماجیت اور داراب خان آٹھ ہزار سوار کے ساتھ وہاں قیام گیر ہوگئے، عبداللہ خان اس مقام سے چھ کوس کے فاصلہ پر "ارہ" میں ٹھہر گیا۔ ابوالحسن شیلی میں جو وہاں سے دو کوس کے فاصلہ پر تھی سردار خان اور اس کا بھائی، دو تنگیر کے قریب دیول گام میں، خنجر خان، سربلند خان، جانسپار خان تین تین ہزار سواروں کے ساتھ

علی الترتیب احمدنگر، جالنہ پور اور بیٹر میں یعقوب خان بدخشی ہو نگی پٹن میں اور اوداجی رام اور دوسرے دکنی سردار ماہور میں متعین ہو گئے ۔ برہان پور سے دیول گام تک جگہ جگہ پہرے تھانے بیٹھ گئے ، غرض کہ ملک کا بڑا مضبوطی سے انتظام کیا اور اپنی جگہ ہر طرح کیل کانٹے سے لیس رہنے لگے ۔ یہ انتظامات ہوتے ہی شہزادہ نے ابراہیم عادل شاہ کے پاس حکیم عبداللہ گیلانی کو، ملک عنبر کے پاس راجہ بکرماجیت کے بھائی کہنر داس کو اور قطب شاہ کے پاس قاضی عبدالعزیز کو روپیہ وصول کرنے بھیجا، اور زمیندار گونڈوانہ کے پاس راجہ بھیم پیش کش لینے گیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے روپیہ دینے میں تامل کیا، وجہ یہ بتائی کہ ملک عنبر سے بالا ہی بالا شرائط صلح طے کی گئیں، اس سے ملک عنبر کو مجھ پر تفوق حاصل ہوتا ہے شاہ جہاں نے پھر افضل خاں کو بھیجا یہ پہلے ابراہیم عادل شاہ سے مل چکا تھا۔ وہ ابراہیم عادل شاہ کو سمجھا کے پیش کش لایا، جس میں نقد اور جواہرات کے ساتھ (۶۰) ہاتھی بھی تھے ۔ اس وقت بھی سابق کی طرح افضل خاں کو بیجاپور سے دو لاکھ روپئے ملے ۔ قاضی عبدالعزیز قطب شاہ سے ۱۰ لاکھ کا پیش کش لایا جس میں ایک سو ہاتھی بھی تھے ۔ کہنر داس

ملک عنبر سے ۱۲ لاکھ کا نقد و اسباب لایا۔

اس کے ساتھ ہی جہانگیر کی خدمت میں افضل خان کے ہاتھ شاہ جہاں نے عرضداشت بھیجی تھی، جس سے بادشاہ بہت خوش ہوا، شاہ جہاں کو وہ کلغی بھیجی جو شاہ عباس نے تحفتہً بھیجی تھی؛ افضل خاں شاہ جہاں کا دیوان مقرر ہوا۔

اس میں شبہ نہیں شاہ جہاں کو بڑی کامیابی ہوئی لیکن یہ اس کی دلیری، شجاعت اور سپہ سالاری کا ثبوت نہیں ہے یہ کامیابی جیسا کہ جہانگیری دربار کے انگریز سفیر ٹامس رو نے لکھا ہے وہ سازشوں کی بناء پر نصیب ہوئی عادل شاہ اور قطب شاہ نے خاطر خواہ اور دل سے ملک عنبر کی امداد نہیں کی وہ ملک عنبر سے برسر پرخاش تھے اور اس سے حسد و تعصب رکھتے تھے" وہ ملک عنبر سے بڑھ کر مغلوں کی طرفداری کرتے تھے۔ اگر وہ ملک عنبر کی خاطر خواہ امداد کرتے اور اس کو تنہا نہ چھوڑتے تو مغلوں کو دکن سے مایوس اور ہمیشہ کے لئے الٹے قدم لوٹنا پڑتا۔ مغلوں کو عادل شاہ وغیرہ کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا۔ چنانچہ خود شاہ جہاں ایک فرمان محررہ ۱۰۳۲ھ میں جو ابراہیم عادل شاہ کے بیٹے کے نام ہے لکھتا ہے "عادل خان مرحوم

(تمہارا باپ) ہمارے ساتھ اخلاص رکھتا تھا اور ہم بھی اس پر خاص عنایت رکھتے تھے تادم مرگ اس نے کوئی تقصیر نہیں کی جو کچھ کیا اس کے غلام ملک عنبر نے کیا۔ تمہارے باپ کے ہاتھ میں استقلال اور اختیار جیسا کہ معاملات میں ہونا چاہیے نہ تھا"

ان بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ ملک عنبر خاص اہمیت رکھتا تھا اور عادل شاہ وغیرہ اس کی اچھی طرح مدد نہیں کرتے تھے۔ ورنہ وہ مغلوں کو مایوس کر دیتا۔ اس موقع پر بھی مغل تنگ آ گئے تھے، غلہ اور آذوقہ نہ ملنے سے وہ بہت پریشان تھے، قلعۂ احمد نگر کے محصورین بھی عاجز آ گئے تھے اگر ملک عنبر ذرا سختی کرتا تو مغلوں کو بری طرح دکن سے بھاگنا پڑتا، لیکن مخلوق کے تباہ و برباد ہونے کا اندیشہ تھا، اور عادل شاہ وقطب شاہ سے بھی خاطر خواہ امداد کی توقع نہ تھی اس لئے صلح پر آمادہ ہو گیا۔

بیسواں باب

مغلوں کے باہمی تنازعات ملک عنبر کا اقتدار اور فتح

شاہ جہاں کی فتوحات دکن سے جہانگیر بہت خوش ہو گیا تھا، لیکن نور جہاں اور شاہ جہاں میں بد گمانیاں پڑ گئیں اس سے معاملات درہم برہم ہو گئے۔ شاہ جہاں اور جہانگیر کے تعلقات کشیدہ ہوتے گئے! نور جہاں نے جہانگیر کو شاہ جہاں کی طرف سے خوب برہم کر دیا تھا۔ جس کے وہ اس کی درخواستوں اور عرضداشتوں پر توجہ نہیں کرتا تھا۔ اب آخر کار یہ طے ہوا کہ شاہ جہاں کو دکن، برار اور خاندیس کے شاہی مقبوضات کا حاکم بنا دیا جاتا ہے وہ وہ وہاں رہے اور باہر قدم نہ رکھے ورنہ نقصان اٹھائیگا۔ شاہ جہاں پہلے ہی سے یہ چاہتا تھا لیکن اس کی آرزو تھی کہ وہ

بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر غلط فہمیوں کا ازالہ کرے دروغ بافوں، مفسدوں اور حاسدوں کی سازش کا راز فاش کرے لیکن جہانگیر کچھ ایسی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ حرف و حکایات کے دروازے بند کردیے شاہ جہاں خاموش ہو رہا اور مالوے کے راستے دکن کا رخ کیا جہانگیر کے پاس عرضداشتیں آئیں کہ وہ راستے میں شاہی عمال سے چھیڑ چھاڑ کرتا جارہا ہے تو اس نے شہزادہ پرویز اور مہابت خاں کو چالیس ہزار سوار، زبردست توپ خانے اور بیس لاکھ روپے کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔

شاہ جہاں نے ملک عنبر کے فوجی مرہٹوں کی امداد سے مقابلے کئے لیکن چار و ناچار دکن چھوڑنا پڑا اور وہ مچھلی پٹن جو قطب شاہ کی سرحد پر تھا، پہنچا، وہاں سے اڑیسہ کا قصد کیا بادشاہ کو خبر ہوئی اس نے فوراً پرویز اور مہابت خاں کو لکھا کہ دکن کا بندوبست کرکے اڑیسہ جائیں قاضی عبدالعزیز شاہ جہاں کا آدمی تھا لیکن جب وہ عرضداشت لے کر جہانگیر کے پاس آیا تو مہابت خان کی حوالات میں دیدیا گیا، اس کو ناچار مہابت خان کا ملازم ہو جانا پڑا اس کو مہابت خان نے ابراہیم عادل شاہ کے پاس برسم رسالت بھیجا، ملک عنبر

نے مہابت خان کو لکھ بھیجا کہ وہ دلیو گاؤں میں ملاقات کرنا
چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ دکن کا انتظام اس کے تفویض
کر دیا جائے ۔ ادھر عادل شاہ کی جانب سے قاضی عبد العزیز
کا نوشتہ آیا ۔ اس میں لکھا تھا کہ ابراہیم عادل شاہ اظہار بندگی
کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ملا محمد لاری کو وکیل مطلق العنان جان کر
اس کو ہمیشہ خدمت میں رہنے کی اجازت دی جائے ۔
مہابت خان نے دیکھا کہ اگر ملک عنبر کا ساتھ دیا جائے اور
اس کی نگرانی میں ملک دکن دیا جائے تو وہ اس قدر مقتدر
رہو جائیگا کہ پھر دکن سے ہمیشہ کیلئے مایوس ہونا پڑیگا ۔ اس نے
تدبیر یہ کی کہ ابراھیم عادل شاہ کو ملا لیا ۔ اس کا خاص آدمی
برہانپور میں رکھا ۔ اس سے ملک عنبر کو امداد کی توقع نہ تھی
بلکہ جو کمک اب تک ملتی تھی اب اس کی بھی امید نہ رہی ۔
شاہ جہاں نے بہار و بنگال میں فتوحات کا سلسلہ جاری
کر دیا ۔ پرویز اور مہابت خان کو متواتر احکام آ رہے تھے
کہ شاہ جہاں کے مقابلے کو جائیں ۔ مہابت خان پہلے کچھ
دنوں دکن کے انتظام میں لگا رہا ۔ ملا محمد لاری کو بھیجا جو
بالا گھاٹ کی ایک بادشاہی فوج کے ہمراہ بحفاظت تمام

برہانپور بلایا اور شہزادہ سے ملایا، معہ پانچ ہزار سواروں کے سربلند رائے کو اس کے ساتھ کیا، برہانپور کا نظم و نسق ان دونوں کے تفویض کیا، ملا محمد کے بیٹے امین الدولہ کو ہزار سوار کے ساتھ شہزادہ پرویز کی خدمت میں بطور یرغمال رکھا۔ اس کے بعد شہزادہ پرویز کو اڑیسہ و بہار کی طرف بھیج دیا، اور خود ملا محمد لاری کے ساتھ برہانپور میں کچھ دنوں انتظام دکن میں لگا رہا۔

ملک عنبر نے جب دیکھا کہ ملا محمد لاری برہانپور جا رہا ہے تو وہ ذرا اندیشہ مند ہوا، لیکن ساتھ ہی ارادہ کر لیا کہ ابراہیم عادل شاہ سے بدلہ لینا چاہئے جب تک اس کو زبردست زک نہیں پہنچائی جائیگی وہ عین موقع پر ساتھ دینے سے پہلو تہی کیا کریگا اور جس طرح اب نقض عہد کر کے مغلوں سے جا ملا ہے اس طرح ہمیشہ کیا کریگا۔ اور جس طرح اب دکن کے انتظام کا ذمہ لے کر پوری بنی بات بگاڑ دی ہے اسی طرح ہمیشہ معاملات بگاڑا کریگا۔ ملک عنبر نظام شاہ کو کھڑکی سے قندھار لے گیا جو تلنگانہ (ولایت قطب شاہ) کی سرحد پر ہے اپنے بچوں کو معہ احمال و اثقال قلعہ دولت آباد میں رکھا۔ کھڑکی کو خالی کر دیا اس طرح محفوظ کر کے مشہور کیا کہ قطب شاہ سے

اجارہ بنفرہ وصول کرنے جا رہا ہے جو وہ ہر سال ۱۶ ہزار روپئے کی تعداد میں ادا کرتا تھا اور دو سال سے ادا نہیں کر رہا تھا۔

قندہار سے قطب شاہ کے ملک کی سرحد میں قدم رکھا تو اس نے ملک عنبر کو رقم بازیافت کر دی اور عہد و سوگند سے اس کو مطمئن کر دیا ملک عنبر وہاں سے بیدر پہنچا۔ مغلوں سے مل جانے کے بعد ابراہیم عادل شاہ نے بیدر پر اپنا پڑا التسلط جما لیا تھا۔ بیدر شاہ کو معہ اہل و عیال بیجاپور میں قید کر کے بیدر میں اپنے آدمی بغرض حراست مقرر کئے تھے[1]۔ ملک عنبر نے ان کو زبون کیا اور اس شہر کو خوب لوٹا۔ وہاں سے بیجاپور کا رخ کیا۔

ابراہیم عادل شاہ قلعۂ بیجاپور میں متحصن ہوا۔ اور دیر تک تھام کرتا رہا۔ اپنے چند آدمی برہان پور ملا محمد لاری کو طلب کرنے بھیجے اور اس کے ساتھ جس قدر فوج تھی اس کو بھی حکم دیا کہ وہ چلی آئی۔ مغلیہ مقبوضات دکن کے حکام کو لکھا کہ ملک ناحق میرے مقابل ہو گیا ہے۔ اس موقع پر میری امداد فرمائی جائے سر بلند رائے حاکم برہانپور نے مہابت خان اور

---

[1] بساتین سلاطین

پرویز کو لکھا جو شمالی ہند میں شاہ جہان سے نبرد آزما تھے۔
مہابت خان نے جواب دیا کہ فوراً ابراہیم عادل شاہ کی مدد
کی جائے۔ سربلند رائے نے ملا محمد لاری کے اصرار پر پہلے
ہی تین لاکھ ہون (بارہ لاکھ روپئے) مدد و خرچ کیلئے مقصدوں کو
دئے تھے اور جب اجازت ملی تو سربلند رائے تھوڑی سے
فوج کے ساتھ برہان پور میں ٹھیرا رہا۔ اور لشکر خان، میرزا منوچہر
خنجر خان حاکم احمد نگر، جان سپار خان حاکم بیڑ اور دیگر امرا کو
ملا محمد لاری کے ہمراہ ابراہیم عادل شاہ کی کمک کو بھیجا جب
ملک عنبر کو خبر ہوئی تو اس نے حکام مقبوضات مغلیہ کو لکھا
کہ وہ ان سے پرخاش نہیں رکھتا ہے۔ اس کی اور ابراہیم عادل شاہ
کی بہت قدیم چشمک ہے۔ نظام شاہوں اور عادل شاہوں میں نزاع بہت
قدیم سے ہے۔ اس معاملے میں دخل دینا مناسب نہیں، لیکن
مغلیہ سرداروں نے ایک نہ مانی اور برابر اس کے سر پر چڑھ آئے
ملک عنبر نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ مقابلہ نہ کیا جائے، وہ
بیجاپور سے نکلا۔ عادل شاہی اور جہانگیری فوجیں اس کا تعاقب
کرتی چلی جاتی تھیں، ہر چند وہ سمجھاتا جاتا ہے۔ اور لکھتا جاتا
تھا کہ اس معاملہ میں مغلوں کا دخل ایک ناروا سی بات ہے۔

اگر ایسا ہی اس کا فی الحقیقت کوئی قصور ہے تو اس کو معاف
کر دیا جائے، اس سے دونوں فوجیں اور قوی پشت ہو گئیں
اور اس کا برابر تعاقب کرتی چلی گئیں۔ جب احمد نگر سے پانچ
کوس موضع بھاتوری کے قریب ایک میدان میں ملک عنبر پہنچا،
تو اس کو موقع ملا اس نے فوج آراستہ کی، دونوں فوجوں نے
لڑنا شروع کیا۔ ملک عنبر کی فوجی حبشیوں نے بلائے سیاہ
کی طرح ملا محمد لاری پر یورش کی، دونوں طرف سے برابر کے
حملے ہو رہے تھے کہ اتفاق سے ایک گولہ ملا محمد لاری کے لگا
وہ گھوڑے پر سے گرا۔ اس کی فوج نے راہ فرار اختیار کی
اس کے ساتھ جہانگیری فوج بھی بھاگ نکلی۔ ملک عنبر کی ایک
تازہ دم فوج نے ان کا تعاقب کیا۔ بے شمار پیادے سوار
تہ تیغ کئے گئے۔ عادل شاہی ذی مرتبہ امیر اور سردار اسیر ہوئے
جہانگیری امرا جو قید ہوئے لشکر خان، ابوالحسن میرزا منوچہر
عقیدت خان وغیرہ۔ خنجر خان زخمی ہوا۔ اور میدان سے جان
بچا کر بھاگا اور قلعہ احمد نگر میں دم لیا۔ فولاد خان عادل شاہی امیر جو ملک عنبر
سے عداوت رکھتا تھا قتل ہوا۔ یہ جنگ جنگ بھاتوری
نام سے مشہور رہی۔ اس کی تاریخ "عنبر فتح کرد" کسی نے

کہی ہے۔ ملک عنبر نے سن کر اس کی سادگی کی داد دی کہ بچہ بھی جانتا ہے کہ عنبر نے فتح کیا۔ باقی امرا کو طوق و سلاسل پہنا کر دولت آباد بھیج دیا گیا، ایک روایت ہے کہ امرائے اسیر کو پکڑ کر اپنے سامنے بلایا۔ بادشاہی قیدیوں کو الگ کیا سب سے عتاب آمیز لہجہ میں کہا کہ ملا محمد لاری کے مارے جانے سے تم نے راہ فرار اختیار کی تم میں سے کوئی زخمی یا کشتہ نہیں۔ کیا یہ پاس نام و ننگ ہے اور اسی کا نام نمک حلالی ہے، سب کو سو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے جس شخص کی باری آئی وہ ایک لطیفہ گو شاعر تھا اس نے کہا میں پانصدی منصب رکھتا ہوں، جو لوگ دو ہزاری سہ ہزاری منصب رکھتے ہیں، ان کو بھی اتنے ہی انعام کا حکم ہے۔ اور میں پانصدی منصب رکھتا ہوں مجھے اس قدر انعام؟ میں نے تو سنا تھا کہ ملک عنبر منصف اور عادل ہے کیا یہ شرط انصاف ہے کہ مرتبوں میں لحاظ نہ کیا جائے۔ ملک عنبر کو یہ بات بہت پسند آئی اس نے کوڑے لگانے سے منع کر دیا

ملک عنبر نے جب یہ میدان جیتا تو وہ شولاپور پہنچا۔ جو نظامیوں اور عادل شاہیوں میں قدیم باعث نزاع تھا، اس کو سنہ ۱۰۲۲ھ میں فتح کیا۔ وہاں سے نکل کر نواح بیدر قریب متصل بیجاپور گیا۔

جس کو ابراہیم عادل شاہ نے بہت خوبصورت طریقہ سے آباد کیا تھا۔ اس کو لوٹا، اور اس کے بعد جہانگیری مقبوضات پر ہاتھ مارنا شروع کیا۔ ملکاپور اور نواح برہان پور تک آبادی کو بے نشان کر دیا۔ اور تقریباً بادشاہی مقبوضات پر قابض ہو گیا[1]

---

[1] تزک جہانگیر، اقبال نامہ جہانگیری، منتخب اللباب، عمل صالح وغیرہ

اکیسواں باب

شاہ جہاں کو امداد دینا

جب جہانگیر کو ملک عنبر کے غیر معمولی اقتدار حاصل کرنے یہ خبر پہنچی تو اس کو بہت رنج ہوا۔ وہ لالہ زار کشمیر کی سیر کے بعد لاہور روانہ ہوا۔ اس عرصہ میں شاہ جہاں جہاں بھی شمالی ہند سے شکست کھا کر دکن آرہا تھا۔ جب وہ برار کی سرحد میں پہنچا تو ملک عنبر نے اس کا ساتھ دینا شروع کیا۔ عادل شاہ تو پہلے ہی سے مل گیا تھا۔ ملک عنبر نے تنہا رہنا مناسب نہ جانا وہ شاہ جہاں سے مل گیا۔ اس کے آتے ہی اپنی فوج یاقوت خان کی سرکردگی میں جوالی برہانپور میں تاخت و تاراج کرنے بھیجی۔ اور شاہ جہاں لکھا کہ جلد دکن چلے آؤ۔ شاہ جہاں بھی چلا آیا اور [illegible]

میں خیمہ زن ہو گیا۔ عبداللہ خان، محمد تقی مخاطب شاہ قلی کو ایک فوج کے ساتھ متعین کیا کہ وہ یاقوت کے ساتھ متفق ہو کر برہانپور کا محاصرہ کریں۔ اس کے بعد خود بھی اس کی طرف متوجہ ہوا۔ تین مرتبہ حملہ کیا، لیکن سودمند نہ ہوا۔ جب سید جعفر کے گولہ لگا، تو دکنی فوج منتشر ہو گئی۔ اسی عرصہ میں خبر پہنچی کہ مہابت خان خان خاناں اور پرویز اپنی فوجوں سمیت بنگال سے دریائے نربدا پر آ گئے ہیں۔ تو شاہ جہاں نے بالاگھاٹ کا رخ کیا۔ اس اثنا میں اس کے مزاج میں ضعف پیدا ہو گیا۔ مسلسل روحانی تصدیعات سے اس کی صحت پر برا اثر پڑا۔ اس حالت میں اس کے دل میں آیا کہ باپ سے معافی مانگنی چاہیے۔ عرض داشت لکھی جہانگیر نے اس شرط پر معافی کا وعدہ کیا کہ شاہ جہاں اپنے دونوں بیٹوں دارالشکوہ اور اورنگ زیب کو ملازمت میں بھیجے۔ رہتاس ور اسیر گڑھ کے قلعے بادشاہی آدمیوں کے قبضہ میں دے دے جائیں تو بالاگھاٹ اس کو عنایت ہو گا۔ شاہ جہاں نے شرائط کو پورا کیا اور ناسک کی طرف بتاریخ ۳ جمادی الثانی ۱۰۳۵ھ کوچ کیا۔

بائیسواں باب

ملک عنبر کی وفات اور اس کی حکومت کا انجام

یہ واقعات سنہ ۱۰۳۰ھ میں رونما ہو رہے تھے۔ ملک عنبر نے بہت کافی اقتدار پیدا کر لیا تھا۔ قدیم نظام شاہیوں کے زمانہ میں جو علاقہ قلمرو میں داخل تھا اس سے کچھ زیادہ ہی ملک عنبر نے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ کم و بیش بعد میں اس کو جنگ و جدل اور حرب و پیکار میں گزارنا پڑا۔ اس عرصہ میں مسلسل نبرد آزمائی سے اس قابل ہو گیا تھا کہ دشمنوں کو مقابلہ کی ہوا تک نہ لگنے دے۔ اب اس کو کسی قدر اطمینان ہوا تھا۔ اور قریب تھا کہ وہ دوسرے پائدار اور مفید کاموں میں خاطر خواہ ہاتھ ڈالتا کہ اجل کا پیغام پہنچا، ۲۴ شعبان سنہ ۱۰۳۵ھ کو اسے لبیک کہا،

روایت ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا لیکن بشتی اور حبشی کا بیان ہے کہ سخت بیمار آیا تھا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ وہ طبعی موت سے مرا، وہ کافی عمر رسیدہ تھا، اس کا سِن اسّی برس کا تھا۔ اس لئے جب کہ وہ کسی مہم سے واپس آ رہا تھا ایک موضع میں وفات پائی جو مونگی پٹن کے مغرب میں چھ سات کوس کے فاصلہ پر ہے اور اب ضلع احمد نگر میں واقع ہے کہا جاتا ہے کہ ملک عنبر کی جائے وفات کی مناسبت عنبرپور نام رکھا گیا۔ کسی تاریخ میں لکھا گیا ہے کہ کھرکی کے قریب وفات پائی۔ یہ مقام کھرکی سے ۱۸ - ۲۰ کوس کے فاصلے پر ہے قریب اسے نہیں کہہ سکتے۔ عنبرپور کی تسمیہ کے متعلق شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ نام اس لئے رکھا گیا ہو کہ بعد کو یہی موضع ملک عنبر کے مزار کے روغن چراغ کیلئے انعام میں دیا گیا تھا۔ لیکن عام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر نے یہیں وفات پائی اور اس کو غسل بھی یہیں دیا گیا۔ جس جگہ غسل دیا گیا تھا وہاں ایک مزار کی شکل بنائی گئی ہے۔ اب تک وہاں ۲۴ شعبان کو ہر سال عرس ہوتا ہے۔

عنبرپور سے جنازہ خلد آباد روضہ گیا۔ جنازے کے ساتھ

ہزار ہا مرد و زن آہ و بکا کرتے جاتے تھے اور کپڑے پھاڑتے جاتے تھے۔ یہ را رہو تالی کہتے جاتے تھے کہ آج کی طرح اہل ہند کو کبھی روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ شاہ راجو قتال اور شاہ منتخب الدین رح جیسے بزرگانِ دین کے مزاروں کے درمیان اس کا مقبرہ ہے، جس کو اس نے اپنی زندگی میں تعمیر کرایا تھا۔

دکن میں ملک عنبر کی وفات کو بڑا المناک سانحہ سمجھا جاتا ہے اور اہلِ دکن اپنی بڑی بدنصیبی خیال کرتے ہیں۔ فاضل شاعروں اور لایق ادیبوں نے بہترین مرثیے لکھے۔ نظم و نثر میں تاریخیں کہیں، ایک تاریخ جس کو ملک عنبر کا درباری ادیب و مورخ شکلی بہترین خیال کرتا ہے "الجنتہ المثواہ" (جنت اس کی آرام گاہ ہے)۔

ملک عنبر کے بعد دکن کا رنگ بگڑ گیا۔ نظام شاہی محل داری میں دوسرے امرا اور خود اس کا بیٹا فتح خان تھا لیکن وہ تدبر، فراست، شجاعت اور سپہ سالاری کے آثار کسی میں نہ تھے جن کی بدولت ملک عنبر نے عزت و شان کے ساتھ ملک کی حفاظت کی اور اس عظمت و دبدبے سے رہا کہ اس کی دھاک

بڑے بڑے جہانداروں پر بیٹھ گئی تھی، اس میں شبہ نہیں اس کا بیٹا اور دوسرے امرا چھ سات برس مغلوں سے مقابلے کرتے رہے لیکن آپس کے نفاق، اور بادشاہ و امرا کی نااہلی سے کام بگڑتا گیا۔ وہ ملک فتح کر لیتے تھے، لیکن اس کی سنبھال اور اس کا نظم و نسق نہ کر سکتے تھے۔ ملک عنبر میں یہ دونوں باتیں تھیں۔ وہ فاتح بھی تھا اور صاحب تدبیر حاکم بھی اگر اس میں تدبیر و فراست کی خوبیاں نہ ہوتیں تو اس کی فتح مندیاں اور ظفریابیاں قزاقی سمجھی جاتیں وہ فاتح بھی تھا اور منتظم و مدبر بھی اس کے بعد ان خوبیوں کا کوئی شخص احمدنگر جیسے نازک اور اہم علاقے میں نہ نکل سکا، یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ نظام شاہی سلطنت جو ۸۹۵ھ میں قایم ہوئی تھی ڈیڑھ سو سال کی جہانبانی کے بعد تمۂ مملکت مغلیہ بن گئی۔ اور اس کے کچھ عرصے بعد بیجاپور و گولکنڈہ کی ریاستوں کا بھی خاتمہ ہو گیا جو احمدنگر کے سہارے زندہ تھیں،

یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ملک عنبر کی وفات پر دکن سے تنظیم و تادیب اور سیاست و مرکزیت رخصت ہو گئے اور خانہ جنگی، قزاقی، غارتگری اور لوٹ مار کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔

تیسواں باب

فوجی نظام

ملک عنبر کے سوانح میں سب سے اہم اور نمایاں چیز اس کا فوجی نظام اور جنگی انتظامات ہیں اس پرآشوب حوادث سے بھرپور اور قلیل مدّت میں اس نے کس طرح ایسی سپاہ فراہم کی اور ان میں نبرد آزمائی کی زندہ و بے تاب روح پھونک دی کہ شہنشاہان مغل اکبر و جہانگیر کی افواج قاہرہ کو پیہم شکستیں کھانی پڑیں یہ بہت دلچسپ مبحث ہے اس پر سے سرسری گزر جانا مناسب نہیں ذیل کی سطروں میں ہم کس قدر تفصیل سے اس پر روشنی ڈالیں گے۔

پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احمد نگر میں ملک عنبر سے قبل فوجی

اور جنگی معاملات کا کیا حال تھا، اور جب ناگہانی تغیر رونما
کار فرما ہوا تھا، تو اس نے کیا انقلاب پیدا کیا۔ اس کے لئے ضروری ہے
کہ احمد نگر کی مکمل تاریخ پر ایک نہایت اجمالی اور سرسری نظر
ڈالی جائے۔ ہم فرشتہ کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں، جس
سے پوری حقیقت روشن ہو جائیگی اور ماضی و حال کا سلسلہ بندھ
جائیگا۔ فرشتہ اہل احمد نگر کے ذوق حرب کے متعلق لکھتا ہے:-
[illegible] دکن میں یک یکی (ڈویل[1]) کا رواج احمد نظام شاہ
بحری والی احمد نگر (۸۹۶ھ تا ۹۱۵ھ) کی یادگار ہے۔ کیونکہ
وہ شمشیر بازی خوب جانتا تھا اور اس فن سے انتہائی رغبت
رکھتا تھا۔ اور چونکہ یہ قدیم رسم ہے کہ بادشاہ کے پسندیدہ ہنر
کے طالب و خواہاں اس زمانے کے لوگ ہوتے ہیں، اس لئے اس
زمانہ کے بھی چھوٹے بڑے اپنے اکثر اوقات اسی میں صرف کرتے
تھے۔ احمد نگر کے تمام محلوں میں بجائے کتب خانوں کے جن
کے قیام کا بلاد اسلام میں [illegible] شمشیر زنی سیکھنے کے اکھاڑے
بنائے گئے تھے [illegible] سمجھا جاتا تھا۔ ہر محلے
اور ہر انجمن میں اس کے سوا کسی اور [illegible] کا چرچا نہ تھا۔ اس طرح
شمشیر بازی نے پوری عزت اور رواج پایا۔ اور جیسا کہ دکن کی

[1] ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۱۱۹

فتنہ خیز آب وہوا کا اقتضا ہے، ہر شخص نے زبان لاف وگزاف
کھول دی تھی اور انا ولا غیری کا دعویٰ کرنے لگا تھا۔ اور دوسرے
کو اس فن میں مسلم نہیں سمجھتا تھا۔ کسی معاملہ میں جوانوں میں
خشونت اور نزاع پیدا ہو جاتی تھی وہ مرافعہ احمد نظام
شاہ کے پاس لے جاتے تھے، وہ حکم دیتا تھا کہ مدعی اور
مدعی علیہ ہمارے سامنے شمشیر بازی[1] کریں جو شخص حریف
پر پہلے وار کرے وہ بہتر ہے، الغرض ہر روز جوان مدعی
ہو کر دیوان عام میں جماعت جماعت حاضر ہوتے لگے اور
شمشیر بازی کرنے لگے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر روز دو[2]
تین جوان دیوان عام میں قتل ہونے لگے اور ان کے لاشیں بھی
ان کے ورثا کھینچا نے لگے۔ اس کے بعد وہ بزرگ اس بات
سے متنفر ہوا، اور یہ مقرر کیا کہ اس کے حضور میں یہ فعل واقع
نہ ہو، بلکہ قلعہ کے دروازہ کے باہر کہ جہاں کالا چبوترہ واقع
ہے یہ امتحان ہوا کرے۔ اور ان دونوں فریقین کے طرفدار

۱؎ بقول مترجم فرشتہ "کا نام ہے کہ مرہٹی میں اس کا نام ایک اونگ بازی ہے۔
اس میں ایک تلوار سے کام لیا جاتا تھا اور دو اونگ میں تلوار اور ڈھال دونوں سے
[illegible] کا کچھ بھی نام پیدا نہ ہو سکیں یہ کم [illegible] ڈول ہوا ہے۔

جو ایک دوسرے سے دعویٰ رکھتے ہیں دخل نہ دیں۔ ان کو چھوڑ دیں
تاکہ وہ حسب دل خواہ ایک دوسرے سے شمشیر بازی کریں، یہاں
تک کہ ان میں سے ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہو۔ جو ہوس میں ہلاک کیے
مارا جائے اس کا کوئی قصاص اور پرسش نہیں۔ یہ بدعت دکن کے
مسلمانوں کی مرغوب خاطر ہوئی، اور احمد نگر سے نکل کر سلاطین ہند کی
وساطت سے دکن کے تمام شہروں میں نہ صرف سرایت کر گئی
بلکہ شائع اور رائج ہو گئی۔ دلوں سے اس عمل بد کی قباحت اس
طرح محو ہو گئی کہ اب تک (١٠١٥ھ) مملکت دکن کے طلبہ، مشائخین
ملوک، امراء اور خواتین اس ایک بکی (ڈوئیل) پر کرتے ہیں اور
اس کو بڑی حیثیت اور قابلیت سمجھتے ہیں اور اگر ان کے فرزند
یک بکی نہ لڑیں تو شجاعوں میں شمار نہیں کئے جاتے ہیں اور ان
کی سرزنش کی جاتی ہے۔ راقم الحروف محمد قاسم فرشتہ نے سنہ ١٠١٠ھ
میں بیجاپور میں مشاہدہ کیا ہے کہ سید مرتضیٰ اور سید حسین دونوں
صحیح النسب سید تھے، سفید ریش تھے، ابراہیم عادل شاہ (٩٨٨ تا
١٠٣٥) کے دربار میں ان کی کمال عزت تھی۔ سب لوگ ان کو
دکن کے معقول لوگوں سے شمار کرتے تھے۔ یہ دونوں بیس سفید ریش
دکنیوں سے جو آپس میں بھائی تھے اور لوگوں میں شہرت رکھتے تھے

ایک امر سہل کے واسطے بازار میں تکرار ہو گئی ۔ پہلے سید مرتضیٰ بیٹا
جو بیس ۲۰ سالہ جوان تھا باپ کی حمایت میں ایک دکنی سے یک کی
کر کے قتل ہوا ۔ اس وقت سید مرتضیٰ اپنے بیٹے کو مقتول
دیکھ کر دوسرے دکنی سے جنگ میں مشغول ہو گیا ۔ اور اس نے
بھی بیٹے کی طرح عدم کی راہ لی ۔ جب سید حسین نے اپنے
بھائی اور بھتیجے کو اس حال میں دیکھا تو ان تین دکنیوں میں سے
ایک کے مقابل ہو گیا ۔ اور (آخر کار) اپنے چہرہ پر گرد ڈالی ۔
ابھی ان تین سیدوں کی لاشیں بازار بیجا پور سے اٹھنے بھی نہ
پائی تھیں کہ وہ تینوں دکنی بھی جنہوں نے مقتولوں کے ہاتھوں
کاری زخم کھائے تھے اپنی جان قابض ارواح کے سپرد کر گئے ایک
لحظہ میں چھ خانوادے بلا عداوت سابق ماتم گسار ہو گئے ۔ اور ان کے
خاندان پر تباہی آ گئی ۔ حقیقت یہ ہے کہ دکن کے مسلمان شمشیر بازی
اور یکہ یکی میں بے نظیر و بے مثل ہیں اور جب تک کہ کوئی
شخص اس فن میں کمال حاصل نہ کرے تلوار سے ان کا مقابلہ نہیں
کر سکتا ۔ مدعا اس تقریر کا یہ ہے کہ چونکہ دکن کے اکثر لوگ زمین
پر شمشیر بازی کی ورزش کرتے ہیں اس لیے سواری، تیر اندازی
نیزہ بازی چوگان بازی سے بے بہرہ اور عاری ہیں ۔ اور یہی

وجہ یہ ہے جنگ فوج میں علی الخصوص جب کہ مخالف دکنی نہ ہو
عاجز مطلق ہو کر زبوں تر ہو جاتے ہیں لیکن خانہ جنگی اور کوچہ و
بازار کی جنگوں میں شیر درندہ اور مردانہ ہیں۔ دولت سلاطین بہمنیہ
کے انقراض بعد جن بادشاہوں نے اس مملکت میں حکومت کی ہے کسی
نے اس فعل بد کے دفعیہ کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کی ترویج کی سعی کی ہے
سوا حضرت صاحب قران ابراہیم عادل شاہ ثانی کے جن کے عہد میں
یک ایک کے معاملے نے پوری تحقیق پائی ہے۔ امید ہے کہ یہ عمل شنیع
کسی زمانہ میں کسی ملک میں بھی نہ ہوگا۔" فرشتہ کے اس اقتباس سے
صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دکن میں فن شمشیر زنی عام طور پر شائع تھا اور
دکنی مسلمان بالخصوص اس میں ماہر یکتا تھے اسی لئے ان کو شیر درندہ
مردانہ کہا ہے۔ شجاعت و دلیری کے یہ اوصاف اہل احمد نگر
میں موجود تھے شمشیر بازی کا شوق ان میں اس قدر جاگزیں اور
عام ہو گیا تھا۔ رعایا میں ایسے جدلی جوہر پیدا ہو گئے تھے لیکن
عیب یہ تھا کہ وہ سواری سے ناواقف تھے اس لئے میدانی جنگ
میں کام نہیں دے سکتے تھے، ملک عنبر نے ان کے ذوق حرب
اور شجاعت کے نقطۂ نظر میں اصلاح اور غیر معمولی انقلاب پیدا کر دیا
فن حرب کو مسلمانوں تک مخصوص نہیں رکھا بلکہ دکن کی تمام قوموں بلا امتیاز اس کا عام

کر دیا۔ اپنی ایک نئی اور وسیع فوجی تنظیم کی اور اس کو کامیاب بنانے میں بڑی جدوجہد کی۔ عرب مورخین دکنی اور ہندی ملک عنبر کے فوجی نظام کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ملک عنبر نے حبشی غلاموں کو خریدنا شروع کیا تجار حبشیوں کو اس کے دربار میں لاتے اور بھاری قیمتوں پر بیچتے تھے کہا جاتا ہے کہ اس نے دو ہزار حبشی غلام خریدے تھے جس حبشی غلام کو وہ خرید لیتا تھا پہلے اس کو قرآن اور کتابت کی تعلیم دی جاتی تھی پھر سپہ گری کی تعلیم دی جاتی تھی، سواری، تلوار کا استعمال اور لٹھ بازی خاص طور پر سکھائے جاتے تھے جب وہ مختلف جنگوں میں لڑتا پھرتا تو اچھا شہسوار ہو جاتا۔ سیاست و تدبر کا ماہر بن جاتا پھر اس کو مرتبہ کے لحاظ سے ترقی دی جاتی منصب میں اضافہ کیا جاتا قابلیت جدوجہد اور استغراق کے اعتبار سے اس کو فضیلت حاصل ہوتی"

مورخین کے بیان پر سرسری نظر ڈالنے سے خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حبشی غلاموں کی اس قلیل تعداد سے مغلوں کے دل بادل لشکروں کا مقابلہ ممکن تھا۔ اور کیا ان کے بے شمار افواج و عساکر کو مسلسل تیس سال تک پسپا اور مغلوب کرنا کوئی کھیل تھا؟ حقیقت یہ ہے

کہ اس بیان سے ملک عنبر کے جنگی کارناموں اور فوجی انتظامات پر کچھ روشنی نہیں پڑتی۔ اس کے زیادہ اہم، نمایاں اور زندہ و دائم کارنامہ کی کچھ تفصیلات ذیل کے بیانات سے روشن ہوتی ہے:-

"عنبر در فنون سپہ گری و سرداری و صوابیت و تدبیر و کارگزاری عدیل و نظیر نداشت و طریق قزاقی را کہ باصطلاح اہل دکن برگی گری گویند خوب دریافتہ بود او باش آن ملک را چنانچہ باید ضبط کردہ تا آخر عمر پائے عزتش از جائے نہ رفت و روزگارش بعزت بسر آمد۔ در ہیچ تاریخ بہ نظر در نیامدہ کہ غلام حبشی باین مرتبہ رسیدہ باشد"

(اقبال نامہ جہانگیری)

"عنبر در فن سپاہ گیری و سرداری و ضوابط تدبیر عدیل و نظیر نداشت اوباش آن ملک را چنانچہ باید ضبط کردہ بود و تا آخر عمر روزگار را بعزت بسر بود"

(تزک جہانگیری)

"(ملک عنبر) در فن سپاہ گری و سرداری و قواعد درست اندیشی و کارگزاری یگانہ و یکتا بودہ راہ و روش قزاقی را کہ باصطلاح دکن برگی گری نامند، خوب فرا گرفتہ چیرہ دلان و اوباشان

ان ملک را از قرار واقع سرحساب نگاہ می داشت ۔۔۔۔۔۔

"چوں در ہندوستان ہنگامہائے چند از فرکشی کردن شاہزادۂ سلیم و ارتحال عرش آشیانے و بعض ورزیدن سلطان خسرو باندک فاصلہ از ہم بر پاشد ملک عنبر بخاطر آسودہ در اعداد سواد شوکت و استیلا مساعی فرداں بکار برد و سپاہ بسیار فراہم آورد"

(ماثر الامراء)

ان مورخین نے ملک عنبر کی واجب تعریف کی لیکن فوجی تنظیم کا ذکر کسی قدر اہانت سے کیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ صرف بوشون اور خیرہ سروں کو اس نے اپنی فوج میں داخل کیا تھا اور ان کو قزاقی سکھائی تھی۔ اس اہانت و حقارت کے وجوہ صاف اور روشن ہیں۔ صاحب تزک جہانگیری شہنشاہ جہانگیر مدۃ العمر ملک عنبر کا رقیب و حریف اور سخت دشمن رہا۔ تزک میں جا بجا ملک عنبر کے استیصال کی تدابیر کا ذکر ہے۔ جہانگیر بادشاہ نے اپنی پوری قوت سے اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کی لیکن سب بے فیض ثابت ہوئیں جہانگیر اپنے کو ہند کی وسیع و عریض سلطنت کا شہنشاہ سمجھتا تھا وہ اپنی مخالفت اور مقابلہ کو منافی شان و عظمت سمجھتا تھا پھر جب ملک عنبر

نے بے جان حکومت کی زمام اپنے ہاتھ میں لی اور شہنشاہ جہانگیر کے
مقابلہ میں تلوار اٹھائی تو اس کو سخت طیش آیا۔ طرح طرح سے
اس کے استیلا و سرزنش کی کوششیں کیں سب ناکام تھیں۔ ایک بھی
پیش نہ جا سکی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تزک میں بار بار طیش و غصہ میں آکر
بہ حقارت ملک عنبر کو "عنبر سیاہ رو" "عنبر بد اختر" "عنبر
تیرہ بخت" جیسے الفاظ سے پکارتا ہے۔ اس سے ملک عنبر کی
عظمت و شان اور اہمیت کا قوی ثبوت ملتا ہے۔ جہانگیر کا ملک عنبر
کو اس طرح یاد کرنا اور اس کو حقارت سے پکارنا لازمی اور قدرتی
ہے۔ تکملہ جہانگیری (اقبال نامہ) کا مولف جہانگیر کا خاص ملازم تھا
جو کچھ وہ لکھتا تھا۔ جہانگیر اس پر نظر ثانی کر کے ترمیم و تنسیخ کیا
کرتا تھا۔ وہ کتاب بھی لازمی طور پر اس جذبہ سے پاک نہیں ہو سکتی۔
ماثر الامراء کے مولف عالمگیر اور آصف جاہ اول کے زمانہ میں گزرے
ہیں۔ ان کے ماخذ یہی کتابیں تھیں اور اگر انھیں براہ راست صحیح واقعات سے واقفیت بھی ہوئی ہوگی
تو چونکہ مغلوں سے کسی نہ کسی طرح توسل رکھتے تھے اس لئے پوری آزادی
سے نہیں لکھ سکتے تھے تاہم ان مورخین کے صحیح ذوق تاریخ نویسی
نے اجازت نہیں دی کہ ملک عنبر کی دوسری خوبیوں پر مخاصمت
سے پردہ ڈال دیا جائے۔ انھوں نے دل کھول کر اس کی تعریف

بھی کی اور بعض ایسے اشارے چھوڑے جن سے حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ مختصر یہ کہ مستند اور معتبر ماخذات سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ ملک عنبر کی فوجی تنظیم اس سے کسی قدر مختلف طریقہ اور وسیع پیمانہ پر تھی اس نے اوباش اور جیرہ سروں کو اس طرح داخل نہیں ہونے دیا تھا جس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی فوج میں مہاراشٹر کے عمائد اور مقتدر امراء ملازم تھے، لکھوجی جادھو سایاجی انندرام، سیواجی مستہوی سکھا رام سوکاسی اور واداجیم بالوراو وغیرہم اس کے متوسلین وملازمین تھے۔ مرہٹوں کو خدمتیں دینے کا سلسلہ نظام شاہی سرکار میں تھا۔ اس دربار سے نہ صرف دنیادار مرہٹے وابستہ تھے بلکہ مہاراشٹر کے ایسے مقدس بزرگ بھی توسل رکھتے تھے جن کے نام دیوتاؤں کے ساتھ جپے جاتے ہیں مثلاً جنارادھن سوامی جو بہ عہد سلطان حسین نظام شاہ' دولت آباد میں صیغۂ حساب میں ملازم تھے۔ اس زمانہ میں سادھو اور سدگرو (مرشد کامل) ہونے کی حیثیت سے ان کی عالم گیر شہرت تھی۔ صاحب تصانیف تھے اور ہندوؤں کے مقدس علوم کے ماہر کتیا! ان کے مرید لیا اور شاگردوں میں بعض ایسی واجب التقدیس ہستیاں تھیں جن کے نام جپنے اور سننے سے اہل مہاراشٹر کے قلوب اب تک راحت وتسکین

پاتے ہیں۔ مرہٹی کا مشہور ویدانتی سادھو شاعر اور مصلح ایکناتھ اس کی روشن مثال ہے۔ انگریز اور ان کی تقلید میں مرہٹہ مورخین اس کو پنڈھرپور کی تحریک کے زبردست بانیوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس نے اہل مہاراشٹر کو دماغی غلامی اور روحانی پستی سے نکالنے کی بڑی کامیاب اور قابل قدر کوشش کی ہے۔ یہ فلسفی سادھو شاعر اور ہر دلعزیز مصلح بھی نظام شاہی سرکار میں خدمتیں انجام دے چکا ہے[1] چنانچہ ہندوؤں کے مقدس تاریخی ماخذات سے اس کی شہادت ملتی ہے:۔

"ایک روز کا اتفاق ہے کہ دشمنوں کی فوج دولت پر حملہ آور ہوئی اس کے مقابلہ کیلئے بادشاہی (نظام شاہ کی) فوج جمع ہونے لگی، جنارجن سرکاری ملازم تھے۔ ان کی شرکت بھی ضروری تھی۔ لیکن وہ گیان دھیان میں لگے ہوئے تھے۔ اس لئے ایکناتھ نے ان کا لباس پہنا اور ان کی جگہ فوج میں شریک ہو گیا۔ دونوں فوجوں میں گھمسان لڑائی ہوئی (عقیدت کیش سوانح نگار کا بیان ہے کہ) کہ آخر کار ان کے طفیل میں دولت آباد کی فوج کو فتح نصیب ہوئی[2]"

---

[1] ایکناتھ کی مفصل سوانح عمری ہم نے لکھی ہے جو عنقریب چھپ کر شائع ہو گی مجلہ عثمانیہ جلد ۲ شمارہ ۵-۲ میں ایکناتھ پر ہمارا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔

[2] مہی پتی (۱۷۱۵ء تا ۱۷۹۰ء) متوطن راہوری ضلع احمد نگر مرہٹی کا مستند شاعر تھا۔ بقیہ بر صفحہ آئندہ

اس بحث سے تو ہم نے ضمنی طور پر یہ بتایا ہے کہ بادشاہان احمد نگر کے دربار سے نہ صرف دنیادار مرہٹے بلکہ ہندوؤں کے مقدس بزرگ وابستہ تھے اس سلسلہ میں ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ملک عنبر نے نہ صرف حکومت کی روایت کو برقرار رکھا بلکہ اس میں انقلاب انگیز اضافے کئے ہیں۔ اس کے دربار میں ہندوؤں کے علما و مشائخین تھے اور ملک عنبر نے ان کو جاگیریں دی تھیں، چنانچہ ملک عنبر کے ایک فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ جی (ولد سیواجی) کا پروہت داموودر بھٹ ملک عنبر کا متوسل تھا اور رامیشور بھٹ جو ہندوؤں کے واجب التقدیس گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ملک عنبر کا سپاہی تھا ۔ یہ فرمان دیوان ارباب الرسوم والقضاۃ کے باب میں درج کیا جائیگا[2]

ہندو پنڈتوں، سادھوؤں اور بھٹوں کے ساتھ ملک عنبر کا یہ احسان اور سلوک اس کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا ثبوت دیتے ہیں لیکن ان سب کے علاوہ اس کا تمام مہاراشٹر پر ایک احسان دائم ہے، وہ احسان کیا ہے؟

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸: لہ ان کی مہاراشٹر کے شاہیروں کے حالات بہت پرلطف طریقہ سے بیان کئے ہیں۔ اس کی نظمیں بڑی موثر اور دلپذیر ہیں۔ اس کی مشہور کتاب بھکتا لیلا مرتا سے یہ بیانات ماخوذ ہے

۲) ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۱

"اہلِ مہاراشٹر میں نبرد آزمائی، جنگ جوئی کی ایک زندہ
بے تاب روح پھونکنا حرب و پیکار اور اقدام کا ایک جوہر ان میں پیدا
کرنا" ہے

ملک عنبر نے جب دیکھا کہ دکن میں جنگ جو سپاہیوں (جو صرف مسلمان تھے) کی تعداد بہت ناکافی ہے اور شمالی ہند کے مسلمان راجپوت وغیرہ اقوام کے مقابلہ میں بہت کم ہے تو اس کی نظر مرہٹہ قوم پر پڑی، وہ صحت مند، مضبوط، جفاکش اور محنت کوش نظر آئی، اس نے اس کے افراد کو فوجی تربیت کرنی اور فنِ حرب کی تعلیم دینی شروع کی نتیجتاً چند ہی دنوں میں ان میں سپاہیانہ جوش و ولولہ پیدا کر دیا اور جان فروشی کی ایسی روح ان میں پھونک دی کہ مغلوں کو دکن سے مایوس کر دیا۔ اس خصوص میں ہم کسی قدر تفصیل سے بحث کریں گے۔

مورخین نہایت اہانت سے لکھتے ہیں کہ اس نے اوباش اور غیرہ سروں کو فوج میں جگہ دی اور ان کو قزاقی سکھائی۔ اوباش وغیرہ سروں سے ان کی مراد مرہٹہ قوم کے وہ شہ زور افراد ہیں جن کو ملک عنبر نے اپنی فوجی ملازمت میں داخل کیا تھا مختبر اور غیر جانبدارانہ ذرائع سے ہم اس کی تردید کر چکے ہیں مستند روایات، واقعات اور ان آثار سے جو اب تک ملک میں باقی ہیں۔ ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ مرہٹوں کی تو تعداد زیادہ تھی

کاروبار کیلئے ضروری سمجھی جاتی تھی اس کو تو اپنے کاموں میں لگا دیا
جاتا تھا۔ اور ایسے افراد کو جن کے بغیر زراعت کے ضروری کام انجام
پاسکتے تھے فوجی تعلیم دلائی جاتی تھی۔ لٹھ، نیزہ اور تلوار وغیرہ کا استعمال
سکھایا جاتا تھا اور سواری کی خاص طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔ جنگ میں
لڑنے اور دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے طریقے سکھائے جاتے تھے۔

اس جماعت کو بھی جو زراعتی کام انجام دیتی تھی۔ فوجی تعلیم سے محروم
نہیں رکھا جاتا تھا۔ جب وہ ضروری کاروبار کر چکتے تھے تو فرصت
کے ایام میں (اخیر بارش واوائل سرما) فوجی تعلیم حاصل کرتے تھے۔
اس طرح چند ہی دنوں میں مہاراشٹر کے قریہ قریہ میں کسانوں کی
جگہ سپاہی نظر آنے لگے۔

ملک عنبر نے گو مرہٹوں میں سپاہیانہ جوش و ولولہ پیدا کر دیا
تھا لیکن شمالی ہند کے موروثی اور پیشہ ور سپاہیوں کا مقابلہ آسان
کام نہ تھا۔ مغلیہ افواج کے پٹھان، راجپوت اور دیگر قوموں کے
آباؤ اجداد سے سپہ گری چلی آرہی تھی۔ اس لئے ان کہنہ مشق سپاہیوں
کی خوبیاں مرہٹوں میں پیدا نہ ہو سکیں۔ پھر بھی اس قلیل عرصہ میں کاشتکار
کے ہاتھ میں درانتی کے بجائے تلوار دینا اور مغلوں کے اس
سپاہی کے مقابلہ میں کھڑا کرنا جو ہتھیلی پر جان لیکر دکن آیا ہو

حسن تدبر و فراست اور کامیاب سپہ سالاری کا ثبوت ہے۔

ملک عنبر نے جب دیکھا کہ شمالی ہند میں امن و امان ہونے کے سبب مغلوں کی پوری فوجی قوت کا رجحان اور افواج کے سیلاب کا بہاؤ دکن کی طرف ہے۔ تو وہ سمجھ گیا کہ ایسی حالت میں ان کا مقابلہ بس کی بات نہیں۔ اب تک مغلیہ افواج سے میدان میں صف بندی جنگ ہوا کرتی تھی لیکن جب ان کے دل بادل لشکر دکن کی جانب امڈے چلے آنے لگے تو ملک عنبر نے میدانی لڑائی اور صف بندی جنگ کو خطرناک خیال کیا اور اسی لئے ملک کے موقع محل اور حالات کا لحاظ کرتے ہوئے جنگ کا ایک نیا طریقہ رائج کیا جس کو تاریخ میں "برگے گری" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور مہاراشٹر میں اب عام طور پر اس کو "گھینی کاوا" کہتے ہیں۔ برگ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی چھپنے کے ہیں۔ چونکہ اس میں عموماً چھپتے باندھے جاتے تھے اس لئے یہی نام ہوگیا۔ یہ طریقہ جنگ کے مروجہ طریقوں سے بالکل مختلف تھا۔ جنگ میں عموماً دونوں مخالف فوجیں قطاریں باندھے اور پیادہ، نیزہ باز، سوار، ہاتھی، توپ خانہ وغیرہ کو ایک خاص ترتیب سے کھڑا کیا جاتا تھا لیکن برگے گری میں یہ قطار بندی اور ایسی کوئی ترتیب نہیں رکھی جاتی تھی۔ فوج کو چند حصوں پر تقسیم کیا جاتا تھا۔ وہ حصے دشمن کی فوج کے دائیں بائیں،

آ گئے۔ پیچھے دوڑ کر اچانک دھاوے کرتے تھے۔ ابھی ایک جانب
سے ایک حصہ نے دھاوا کیا اور دشمن کی فوج ادھر مڑی کہ دوسری
جانب سے ایک دستہ نے حملہ کیا، پریشانی میں ادھر کا رخ کیا تو
پیچھے سے ایک دوسرے دستہ نے چھاپہ مارا۔ پیچھے پلٹتے ہی دوسرے
رخ سے ایک اور ٹکڑی حملہ آور ہو گئی۔ غرض اس طرح پریشان و عاجز ہو جاتی
تھی۔ چند دستے دشمن کی فوج سے دور رہ کر اسی طرح گھیرے
رہتے تھے اور چند ٹکڑیاں دشمن کی فوج کا سامان رسد روکنے میں
مشغول ہو جاتی تھیں ایک طرف پیہم اور اچانک دھاووں سے
ان کا ناک میں دم ہو جاتا تھا اور دوسری طرف غلہ اور آزوقہ
نہ پہنچنے سے وہ بھوکوں مرنے لگتے تھے ناچار ہتھیار ڈال دینا پڑتا
تھا۔ غرض یہ طریقہ بہت مفید ثابت ہوا۔ اور اس کو مرہٹوں نے
بڑی خوبی سے کیا۔ وہ ان کے مناسب فطرت اور حسب حال
تھا۔ وہ نوعمل تھے اس لئے کہنہ عمل سپاہیوں کا دوبدو مقابلہ
نہیں کر سکتے تھے لیکن برگے گری سے وہ دشمنوں کو مغلوب کرنے
میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

برگے گری کے طریقہ کے کامیاب ثابت ہونے میں ملک کی
جغرافی حالات کو بھی کافی دخل ہے۔ ملک عنبر ملک کے محل وقوع

اور اس کی جغرافی حالت سے خوب واقف تھا، یہاں جابجا پہاڑیاں
دشوار گزار راہیں اور سنگلاخ منزلیں تھیں۔ میدانی اور صف بندی
جنگ کرنے والوں کیلئے ایسا مقام قطعاً غیر موزوں اور مضر تھا
چنانچہ جہانگیر اپنی تزک میں ان دقتوں اور دشواریوں کو محسوس
کرکے لکھتا ہے۔ ملک عنبر نے ایک اور کام یہ کیا کہ مرہٹوں کو نہایت
تیز اور سبک رو گھوڑے دیے جن پر ساز و سامان بہت ہی کم
ہوتا تھا اور جو پہاڑوں میں دشوار گزار رستوں سے نہایت آسانی
اور سہولت سے نکل جاتے تھے۔ مغلوں کے ساز و سامان والے بھاری
بھرکم گھوڑوں کے مقابلہ میں یہ زیادہ کار آمد تھے۔ مرہٹہ سپاہی
ان گھوڑوں پر ہفتوں کی مسافت بے تکان دنوں میں طے کرتے تھے
اس طرح ہر سپاہی چند ہی دنوں میں ملک کے چپہ چپہ سے آگاہ
ہو گیا اور انہوں نے جابجا کمین گاہیں بنالیں ان مقامات سے
وہ دشمن کی فوجوں پر اچانک ٹوٹ پڑتے تھے اور پھر نہایت
تیزی سے واپس ہو کر کمین گاہوں میں پناہ گزیں ہو جاتے تھے
غرض مرہٹے اس طرح برگے گری میں بڑے مشاق اور یگانہ ہوگئے۔
الغرض یہ تھی وہ داستان جس میں ملک عنبر کے اس احسان
عظیم اور منت بے پایاں کا ذکر ہے جس سے مرہٹہ قوم کی گردن

جھکی ہوئی ہے۔ اہل مہاراشٹر پر اس کا یہ زندہ دائم احسان ہے۔
اس نے مرہٹوں کی خوابیدہ قابلیتوں کو ابھارا، پوشیدہ اخگر کو جوالہ
شعلہ اور چنگاری کو جیوتی بنا دیا۔ اسی کے طفیل کا ادنیٰ کرشمہ تھا کہ
ہندوستان کی قوموں میں مرہٹوں کو حکمرانی کا فخر نصیب ہوا
اقوام ہند کی گردنیں غلامی کے گراں بار طوقوں سے جھکی رہی ہیں لیکن
ملک عنبر کے لطف کی نظر نے اس مرہٹہ قوم کے حق میں مسیحائی کی
اور اس مردہ قوم کو تازہ توانا بنا دیا۔ یہاں تک کہ اس نے محکومیت
کے طوق کو زنگ خوردہ زنجیروں کی طرح توڑ دیا اور فرمانروائی
کا تاج پہنا۔ ہندوستان کی اسی ایک قوم کی گردن فرازندہ چکی ہے
ایسی درماندہ قوم سے جو دن بھر کھیتی باڑی کے کام جانور کی طرح انجام دے
اور شام کو گھر لوٹے تو بے سدھ پڑی رہے یہ توقع کی سکتی تھی کہ دلیر اور فراخ حوصلہ
بن جائے گی کہ بندھیاچل سے گزر کے شمالی ہند میں چھاؤنیاں قائم کرے گی اور
اور ایک دن اس کے لائق ہو سکے گی کہ اولوالعزم تیمور و بابر کی اولاد سے تخت
دہلی چھیننے پر تل جائے اور ایسی مہذب و مدبر کہ اقوام ہند پر حکمرانی کی دعوے
دار بنے۔

انگریزوں اور ان کی تقلید میں مرہٹہ مورخین نے اس کا کہیں صریح
اعتراف نہیں کیا ہے کہ ملک عنبر مہاراشٹر کے اس عظیم الشان سیاسی

اور فوجی انقلاب کا بانی ہے۔ ان کی پوری قوت مرہٹی شعرا کے
کلام کو بے تاثیر اور تغیر انگریز فرض کرنے اور ان کی تصانیف کو انقلاب
کا باعث سمجھنے میں صرف ہوئی ہے۔ "یہ ایک خیالی اور فرضی
تصویر ہے جو دل خوش کن تو ہے مگر واقعات کے سراسر خلاف ہے"۔
"جسٹس راناڈے مرحوم اور ان کے مقلدین نے جہاں مرہٹہ حکومت
کی ابتدا اور فروغ پر بحث کی ہے وہاں منجملہ دیگر اسباب کے ایک
سبب ان شعرا کو بھی قرار دیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ مرہٹی
شاعر اور سادھو تھے جنہوں نے اس انقلاب کی داغ بیل ڈالی لوگوں
کو اس طرف متوجہ کیا۔ انہیں قومیت کا خیال سکھایا اور شیواجی جیسے
الوالعزم شخص کو پیدا کیا جس نے آخر ملک میں مرہٹوں کی حکومت قائم
کی۔ ہمیں ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں۔ اول تو ہندوستان
میں شاعروں کو ایسی باتوں سے کچھ واسطہ ہی نہیں۔ وہ سیاسیات
کے کوچے میں بھولے سے بھی قدم نہیں رکھتے، ان کی جولانیوں کے
میدان ہی دوسرے ہیں۔ دوسرے مرہٹی شعرا کی شاعری اور بھی
زیادہ محدود رہی ہے، انہیں تو اس کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔ ان کے کلام
کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے (جس کا مختصر ذکر میں اوپر کر چکا
ہوں) کہ یہ لوگ درویش صفت اور صوفی منش تھے، انہوں نے یا تو رامائن

مہابھارت کے قصے نظم کئے یا اپنے دیوتاؤں اور پرمیشور
کی حمد کے گیت گائے یا مذہبی اور اخلاقی نصیحتیں لوگوں کو کیں۔
وہ پرمیشور سے لو لگائے اپنے دھیان اور بھگتی میں مگن رہتے
تھے، انہیں دنیاوی معاملات اور خاص کر سیاسیات سے کچھ
سروکار نہ تھا۔ فرنچ ریولیوشن (انقلاب فرانس) کی تاریخ پڑھتے
وقت جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مورخین اس کے اسباب کا کھوج لگاتے
لگاتے روسو اور والٹیر وغیرہ تک پہنچے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہی
انشاپرداز اور حکیم تھے جنکے خیالات نے اس کو انقلاب عظیم کا بیج
بویا، جو اگا، بڑھا، پھلا اور پھولا اور اس عجیب و غریب انقلاب
کا باعث ہوا، تو ہمارے دل میں بھی گدگدی ہوتی ہے اور ہم بھی
اپنے ملک کے واقعات و تغیرات کو اسی نظر سے دیکھنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ اس وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے
حالات میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ حال کے مورخین
نے یہی غلطی کی اور اپنے شاعروں اور سادھوؤں کو روسو اور
والٹیر وغیرہ کا قائم مقام فرض کر لیا حالانکہ انکے اور ان کے خیالات
اور کلام میں کوئی نسبت نہیں۔ یہ محض تقلید ہے اور تقلید بھی ایسی
کہ واقعات اسکی مطلق تائید نہیں کرتے۔ اس زمانے کے شعرا اور

خاص کر مرہٹی شاعروں سے یہ توقع کرنا کہ انھوں نے لوگوں کے دلوں میں حبِّ وطن اور حبِ قوم کا جذبہ پیدا کیا اور ان کے دلوں کو اپنے پُر تاثیر کلام اور انقلاب انگیز خیالات سے گرمایا اور سیاسی انقلاب کا باعث ہوئے، ایک خیالی اور فرضی تصویر ہے جو دل خوش کن تو ہے مگر واقعات کے سراسر خلاف ہے۔"[۱]

فوجی قوت کا اندازہ۔ اس بحث کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر کی فوجی قوت کا صحیح اندازہ اور شمار کیا جائے۔ یہ بہت مشکل ہے، تاریخوں میں کہیں اس کا صاف اور صریح ذکر نہیں۔ کہیں کہیں اس کا پتہ چلتا ہے لیکن اس سے کوئی ٹھیک اندازہ نہیں ہوتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جہانگیری افواج کے مقابلہ کیلئے اس نے ساٹھ ہزار رسوار فراہم کئے تھے[۲] اور بے شمار پیادہ فوج تیار کی تھی۔ بساط الغنائم میں لکھا ہے کہ لشکر بیجاپور کے مقابلہ کیلئے ساٹھ ہزار سوار آیا تھا لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس تعداد سے

---

[۱] رسالہ اردو۔ جلد ۱۔ شمارہ ۲۔ عمل صالح

مغلوں کی لاکھوں کی فوج کا مقابلہ ممکن نہ تھا۔ اور پھر کبھی
کبھی عادل شاہی فرماں روا بھی مغلوں سے مل کر اپنی پوری
قوت سے ملک عنبر کا مقابلہ کرتا تھا۔ ایسی صورت
میں دونوں با جبروت حکومتوں کا مقابلہ آسانی سے نہیں
کیا جا سکتا تھا۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملک عنبر
نے ضرور کئی لاکھ کی فوج فراہم کی تھی جس کے برتے پر وہ
مغلوں، عادل شاہیوں اور قطب شاہیوں سے کامیابی
کے ساتھ لڑتا بھڑتا رہا۔

توپ خانہ

اس کی فوجی قوت کے سلسلہ میں توپخانہ
کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری
ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا توپ خانہ شہنشاہ مغل کے توپخانہ
سے بہتر تھا۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ پرتگالی جنوبی
ہند میں تھے اس لئے اس کو ان کی توپوں کے مطالعہ کا کافی
موقع ملا تھا اور اس لئے اس نے اپنے توپ خانہ
کو خوب ترقی دی تھی اور اس کو بہتر بنا دیا تھا۔ اگر
یہ بیان صحیح نہ ہو تو بھی اس قدر حقیقت ہے کہ خود ملک
احمد نگر میں قدیم سے بہترین توپ خانہ موجود تھا مشہور ملک

میدان توپ احمد نگر میں تیار ہوئی تھی اور دوسری بڑی
توپیں بھی وہاں تیار ہوتی تھیں۔ اس لئے ملک عنبر کو
توپ خانہ کی ترقی کیلئے زیادہ کوشش کرنی نہ پڑی ہی
ہوگی خود احمد نگر میں اس کے قدیم سے کاریگر سے موجود تھے
اور بہت سی توپیں تیار کرتے تھے۔ ملک عنبر کی
بعض توپیں اب تک پائی جاتی ہیں۔ قندھار (دکن)
میں ایک توپ ہے جو ملک ضبط کے نام سے مشہور
تھی۔ اور اب جس کو بڑی عنبر شاہی توپ
کہتے ہیں۔

بحری قوت

بری قوت کے ساتھ ملک عنبر نے بحری
قوت بھی خوب حاصل کی تھی چنانچہ
بحری جنگی اور تجارتی جہازوں کے بیڑے کا صدر مقام ایک
سنگستانی جزیرہ (واقع ساحل کوکن) تھا۔ یہ جزیرہ
راج گڑھ کی مغرب میں ۴۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے
جہازوں کے انتظام کی باگ حبشیوں کے ہاتھ میں تھی۔
وہ مقام جزیرہ ہی کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اب
وہ بگڑ کے جنجیرہ بن گیا ہے۔ اب یہ ایک ریاست ہے۔

اور جنجیرہ ریاست کے نام سے مشہور ہے اس کی زمام حکومت اب تک ایک حبشی خاندان کے دست قبضہ میں چلی آرہی ہے۔ اس بحری قوت کے سبب بیرون ملک تجارت کرنے میں ملک عنبر کو بہت آسانی نصیب ہوئی۔ چنانچہ خلیج فارس سے جو تجارت ہوتی تھی اس کو محفوظ ومصئون کرنے میں اس نے اس بحری قوت سے بہت کام لیا۔

دفتر ہند (انڈیا آفس) میں ایسے کاغذات اور تحریرات ہیں جن پر ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہندوستان کے ان واقعات پر جو ۱۶۱۵ء اور ۱۶۲۶ء میں پیدا ہوئے ہیں، روشنی پڑتی ہے۔ اس کمپنی کے کارکنوں اور عہدہ داروں کے بعض خطوط اور تحریرات سے ملک عنبر کی بحری قوت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اسی زمانے کے انگریز امیر البحر کپتان ڈونٹن کے دو خط ہیں ایک ملو خان کے نام ہے اور دوسرا ملک عنبر کے۔ ملو خان جنجیرہ راجاپور کا کماندار تھا۔ سیدی ابراہیم نے اس کا خط کپتان کو دیا تھا،

جس میں لکھا تھا کہ پرتگالیوں (؟) کے ساتھ بعض معاملات چھوڑ گئے ہیں اس لئے جہاز بھیج دیے جائیں۔ انگریزوں کو سورت جانا ضرور تھا اس لئے کپتان نہ بھیج سکا۔ مزید براں وہ پرتگالیوں کے معاملہ کو بھی نہ سمجھ سکا۔ دوسرا خط جو ملک عنبر کے نام ہے تقریباً اسی مضمون پر مشتمل ہے۔ ایک اور تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر عرب کے بعض شہروں کے غریبوں کے لئے چاول اور کپڑا وغیرہ بھیج دیا کرتا تھا، ترکوں نے اس کے جہازوں کو سواحل عرب پر "دو شہر" (؟) نامی مقام پر لوٹ لیا۔ ان جہازوں میں بعض چاول وغیرہ سے لدے ہوئے تھے اور بعض بحری سپاہیوں کے سامان سے۔

ان حوالوں سے پتہ لگتا ہے کہ ملک عنبر کی بحری قوت بھی تھی اور اس کے تجارتی جہاز بھی تھے اس کی بحری قوت کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے تاہم اس قدر قرین قیاس ہے کہ اس نے بحری قوت اس قدر پیدا کر لی تھی کہ وہ اپنے جہازوں کو بیرونی ممالک سے تجارت کی محفوظ

کرسکے اور ضرورت کے وقت بحری جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرسکے۔ بحری قوت کی باگ حبشیوں کے ہاتھوں میں تھی ملاح بھی وہی تھے۔

ملک عنبر کی فوج کا بڑا حصہ حکومت کے صدر مقام اور اندرون ملک مختلف مقامات میں تھا، اس کے علاوہ اس نے ملک کے حدود پر بھی فوجی صدر مقام بنائے تھے۔ چنانچہ شمال میں مغلوں کی روک تھام کیلئے قلعۂ انتور میں کافی فوج تھی۔ یہ قلعہ اس پہاڑی پر واقع ہے جو سطح مرتفع دکن کو خاندیس سے جدا کرتی ہے۔ مغلیہ افواج اس سے آگے بڑی مشکل سے بڑھ سکتی تھیں۔ مشرق میں قطب شاہیوں کی روک تھام کیلئے قندھار میں بھی فوج تھی۔ جنوب میں عادل شاہیوں سے محفوظ رہنے کے لئے پرینڈہ وغیرہ جیسے فوجی مقامات تھے۔

مختصر یہ کہ ملک عنبر نے بڑی زبردست فوجی قوت حاصل کی تھی اور اس کی بڑی سمجھداری سے تنظیم کی تھی،

بحری و بری قوتوں کے خاص انتظامات تھے ۔ اندرون
ملک اور سرحد کی حفاظت کیلئے بڑی فراست اور ہوشیاری
سے انتظام کیا تھا ۔

چوبیسواں باب

ملک عنبر کے دوسرے کارنامے

ملک عنبر مدۃ العمر جنگ و جدل اور حرب و پیکار میں سرگرم رہا
جنگوں کا ایک طولانی سلسلہ تھا جن میں وہ ہمیشہ مصروف رہا بمشکل
سے چند ہی ایسے سال اس کو میسر آئے ہوں گے جن میں اس کو
کسی قدر عافیت اور اطمینان نصیب ہوا۔ ورنہ چاروں طرف سے
دشمنوں میں محصور رہنے کی وجہ سے اس کو ہمیشہ سخت ترین مقابلہ
کرنے پڑے اور یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ تلوار کے قبضہ سے
اس کا ہاتھ کبھی ہٹنے نہ پایا۔ جنگوں کے اس طولانی سلسلہ اور
افکار و حوادث پر ہم اپنی نظر ڈالتے ہیں تو ملک عنبر سے ہرگز یہ
توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ملک میں امن و اطمینان قائم رکھ سکتا

ہوگا۔ اور ایسے کارنامے انجام دے سکا ہوگا جو محض امن کی
آغوش میں پرورش پاتے ہیں لیکن وہ اپنے تدبر و سیاست
اور مردانگی و شجاعت سے ان تمام دقتوں اور مشکلوں پر حاوی
ہوگیا تھا۔ جو ملک و رعایا کو انتشار و پریشانی کا شکار اور امن و امان
کو بے نشان کر دیتے ہیں۔ اس نے ملک و رعایا کے حفظ و امان
کی اس عمدگی سے پاسبانی کی کہ ملک آباد اور رعیت خوشحال تھی۔
اور ہر شخص اطمینان نصیب زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے بہت
کم ملک میں محسوس نہیں ہونے دیا کہ امن و اطمینان اور آرام
و آسائش کو کسی قسم کا گزند پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس کا
بین ثبوت اس کے ان کارناموں سے ملسکتا ہے جن کو اس نے
ملک و رعایا کی اصلاح و بہبود کی خاطر حکومت کے مالی ملکی
اور انتظامی شعبوں میں انجام دیا ہے۔

ہم یہاں ان خاص کارناموں کا اجمالی ذکر کریں گے جن کی
بدولت ملک عنبر کا نام دکن میں زبان زد خاص و عام ہے
ہم گزشتہ ابواب میں اس کی فوجی اصلاحات اور کارناموں کا
ذکر کر چکے ہیں یہاں نظم و نسق مملکت کے اعتبار سے مختلف
شعبوں اور ان کارناموں پر نظر ڈالی جائے گی۔

پچیسواں باب

نظمِ مملکت

دیوان

سلطنت کا تاجدار قدیم شاہی خاندان کا رکن تھا ملک عنبر وکیل السلطنت تھا۔ سلطنت کے کاروبار اور مملکت کے معاملات کی باگ اس کے ہاتھ میں تھی اسی وجہ سے مملکت مدار اس کا خطاب تھا۔ اصولاً بادشاہ کی ذات اقتدار اعلیٰ ہونی چاہیے تھی لیکن وہ اپنی نااہلی اور کمزوری سے بے جان تصویر تھی جو نظام شاہی تخت پر دھری تھی۔ عملاً مقتدر اعلیٰ ملک عنبر تھا۔ وہ مملکت کے جزو و کل معاملات میں پورا اختیار رکھتا تھا بادشاہ ادنیٰ سے ادنیٰ معاملات میں بھی دخل نہیں دے سکتا تھا بادشاہ در اصل ملک عنبر تھا جیسا کہ اس کو

"ملک عنبر باشا" کے نام سے بچہ بچہ یاد کرتا ہے۔ اور اصل تاجدار کو کوئی بھی نہیں جانتا۔

اہم اور ضروری امور اور معاملات خود ملک عنبر طے کرتا تھا، لیکن اس کے علاوہ نظم و نسق کے لئے ایک بڑا محکمہ قائم تھا جس کا نام دیوان ارباب الرسوم والقضاء تھا جو زراعتی، مالی، عدالتی اور انتظامی شعبوں پر مشتمل تھا۔ ان کے متعلق ہم علیحدہ بحث کریں گے۔ ہر شعبہ میں متعدد عہدہ دار، عامل اور کارکن ہوتے تھے۔ مالگزاری کا تمام تر انتظام برہمنوں کے ہاتھ میں تھا۔ ان کی نگرانی مسلمان عہدہ دار کرتے تھے۔ دیہات اور مواضعات میں پٹیل پٹواری عامل سمجھے جاتے تھے بڑے شہروں اور قصبوں میں انتظامی اور عدالتی عہدہ دار متعین ہوتے تھے محبوب الوطن میں بحوالہ تحفۃ الملوک لکھا ہے کہ ایک دیوان محاسب بھی ہوتا تھا، جو غالباً مالیہ کا صدر افسر ہوتا تھا۔

دفتری کارروائیاں بڑی حد تک فارسی زبان میں طے ہوتی تھیں۔ دیہات میں مرہٹی سے کام لیا جاتا تھا اور اکثر مواقع پر ضرورتاً مرہٹی ہی سے کام لینا پڑتا تھا ورنہ عموماً بڑے قصبوں اور شہروں کے دفتروں میں فارسی ہی میں کام ہوتا تھا۔

ملک عنبر عربی خوب جانتا تھا۔ اہل عرب سے مراسلت اور خط و کتابت اسی زبان میں ہوتی تھی۔ اہم معاملات میں مثلاً انعام اور جاگیر کے باب میں خود ملک عنبر احکام جاری کرتا تھا ہم ذیل میں ایک فرمان نقل کرتے ہیں، جس سے اس کے طرز نگارش اور کارروائیوں کے طے مراتب کا اندازہ ہوگا۔ اصل فرمان مرہٹی زبان میں مرہٹی رسم الخط میں ہے۔ ہم فارسی رسم الخط میں لکھتے ہیں، اس میں مرہٹی سے زیادہ فارسی ہے۔

از دیوان رخت خانہ خاص بجانب کارکنان و دیسمکھان پرگنہ پونہ متاسائیاں و عہدہ داران از ہتی حال و استقبال و مقدمان موضع دیول گاؤں نزدیک آئے گنو قریاتی پاٹس پاٹیل مذکور بداند شروع سنہ تسع عشر الف دامودھر بھٹ بن نارائن بھٹ و رامیشور بھٹ بن نارائن بھٹ ساکن اروی مُدگل بندگی حضرتی معلوم اکیلے زے آپن یاسی) انعام زمین دسیت خود خاصہ دوری سوا در سوا موضع دیوال گاؤں نزدیک آلے گنو قریاتی پاٹس

پرگنہ مذکور بدّل حجتی ہیبت خاں ثلاث الف
آہے بیتے پر ماسنے فرمان کروں دینے
جنہوں دو خاتمکلت مدار ملک عنبر ایک اندر
انعام داران تسع عشر الف ۲۰ ماہ شوال آہے
فرمان مرحمتی ہوسے معلوم جہاسے
بدّل انعام اکارتی دیوان خاصہ پراسے
رقعہ ساتھ دی دسے داموِدھر بھٹ
بن نارائن بھٹ و راہیشور بھٹ بن نارایِن
بھٹ ساکن اردی مدگل انعام زمین سیت
خود خاصہ دوری سوا درسواد موضع دیول گاؤں
نزدیک آسے گو قریاتی پاٹس پرگنہ
مذکور بدّل حجتی ہبتی ہیبت خاں ثلاث الف
دو سلے آہے تیتے پر ماسنے قرار کیلے
آسلے سے سبع عشر الف جیسا بھوگ وٹا
وتصرفاتی چالت ایل تیتے پر ماسنے دنبالہ
کیزسے دیہرسال فرمان چا غذر
نہ کیزسے تعلیق گھیون اصلی پھراؤن

ویرسے بہ رخسا مذکور ملک عنبر اک اندر
الغامدارتی تسع عشر الف ۲۰ ماہ شوال پپ مانے
وامود ہر بھٹ ورا ہیشو ربھٹ سیت
دوری سوابدل سواو دفتر باس مرتب سد۔

اس فرمان سے اندازہ ہوگا کہ ملک عنبر دفتری امور سے کسقدر واقف تھا اور وہ سلطنت کے اہم سے اہم اور باریک سے باریک معاملات سے کس طرح آگاہ تھا۔ اس کے علاوہ اس میں ایک خاص بات غور طلب یہ ہے کہ اس زمانے میں مرہٹی اور خصوصاً دفتری مرہٹی کا کیا حال تھا وہ دراصل فارسی تھی جو مرہٹی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ یہ رنگ عام طور پر رائج ہوگیا تھا، یوں کہنا چاہئے کہ مرہٹی کے خمیر ہی میں فارسی کا عنصر داخل ہوگیا تھا۔ مرہٹہ حکومت کے دور میں بھی یہ بات قائم رہی۔ اب ہم ذیل کے شعبہ پر بحث کریں گے۔

(۱) زراعتی (۲) مالی (۳) انتظامی (۴) عدالتی (۵) تعمیرات

(۸) صنعت وحرفت اور تجارت (۹) رفاہ عام (۱۰) علم وادب
انتظام اوقاف بھی ایک سررشتہ قایم کیا تھا۔ جس کی نسبت
ستارۂ صبح میں شبلی اور محبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سررشتہ انتظام
اوقاف کی بھی بنیاد ڈالی تھی، یہ ضرور ہے کہ اس نے بہت سی
جائداد وقف کی تھی لیکن اس کے انتظام کے لئے کوئی سررشتہ
قائم کیا تھا یا نہیں کسی تاریخ میں درج نہیں۔ ستارۂ صبح کے اس
بیان کی طرف ہم نے اشارہ کر دینا ضروری خیال کیا۔

چھبیسواں باب

زراعت

ملک عنبر نے زراعت کی طرف خاص توجہ کی تھی وہ زمین کو رعایا کی ملک تصور کرتا تھا، ان پر ان کو دوامی حقوق دیئے تھے افتادہ اور بنجر زمین کسانوں کو دی جاتی تھی، اور ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیجاتی تھیں تاکہ وہ جوتیں بوئیں اور زمینوں کو قابل کاشت بنا دیں۔ جو زمین دی جاتی تھی وہ رعایا کی ملک ہوتی تھی اور ان پر ان کو دوامی حقوق حاصل ہوتے تھے۔ میراثی یا وطن دار رعیت استحقاقاً اراضی پر قابض ہوتی تھی، انتقال کے پورے اختیارات ان کو حاصل ہوتے تھے البتہ انتقال بذریعہ بیع کیلئے خاص قواعد و ضوابط کی پابندی ضروری تھی، یعنی جب تک موضع کے معزز

و معتمد لوگ اور دیس مکھ گواہ نہ ہوں، اور اطراف کے مواضعات کے پٹیل پٹواری بھی شہادت نہ دیں اُس وقت تک انتقال بذریعہ بیع عمل میں نہ آتا تھا۔ اوپری یعنی وہ لوگ جو ایک موضع سے دوسرے میں آئیں جہاں انکی آراضی ہو اور کاشت کریں تو ان کو نذرول اور مالگزاری دونوں ادا کرنا پڑتا تھا۔ تاکہ وہ چھوڑ کر بھاگنے نہ پائیں غرض یہ وہ طریقے تھے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کاشتکاروں میں زراعتی کاموں سے دل بستگی پیدا کرانا چاہتا تھا زراعت کے اغراض کے لیے اس نے نہریں کھدوائیں اور تالاب بنوائے نہروں اور تالابوں کے ذریعہ آبپاشی کی جاتی تھی اور باغات کو سیراب کیا جاتا تھا اورنگ آباد اور اس کے اطراف فواکہات کے باغات تھے۔

ملک عنبر کی ہر طرح یہ کوشش تھی کہ ملک آباد اور رعیت سرسبز رہے۔ [1] اس کے ساتھ ہی لیکن بعض اوقات جنگ و جدل میں خود ملک عنبر نے لہلہاتی کھیتیاں جلا کر خاکستر کر دیں تاکہ غنیم غلہ اور آذوقہ سے محروم ہو جائیں لیکن اس وقت وہ مصلحت اسی میں سمجھا جن کاشتکاروں کی کھیتیاں جلا لی جاتی تھیں انکے ساتھ کیا سلوک وہ کرتا تھا معلوم نہ ہو سکا لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ وہ ضرور ان کا معاوضہ کر دیتا ہوگا۔ ورنہ وہ ملک میں اور خصوصاً قریبیوں میں اتنا ہر دلعزیز نہ ہوتا۔

---

[1] نذرول اور مالگزاری اراضی بھی زرکثیر [illegible] گرانٹ ڈف اورنگ آباد گزیٹر ہسٹاریکل انجینیر

ستائیسواں باب

مالی

ہمارا خیال ہے کہ ملک عنبر کو مالی معاملات میں بہت مہارت اور تجربہ تھا۔ اور اس نے ان کا مطالعہ بہت غور و فکر سے کیا تھا عرب سے آنے کے بعد احمد نگر میں وہ چنگیز خاں کے ہاتھوں بکا تھا۔

چنگیز خاں کے تدبر و فرزانگی کا ذکر ہو چکا ہے اور ہم اس دستور العمل وزارت اشارہ کر چکے ہیں جس کو اس نے اپنی شہادت سے قبل مرتب کیا تھا اور عین نزع کی حالت میں بادشاہ کے حضور میں بھیجا تھا۔ اس دستور العمل سے ہم قطعاً ناواقف ہیں تاہم چنگیز خاں کی نسبت تاریخوں میں اس قدر نہایت تحقیق سے درج ہے کہ اس نے اپنی مالی اصلاحات سے ملک کو مالدار اور خوشحال بنا دیا تھا۔ اس دستور العمل کی ترتیب و تنظیم کے وقت ملک عنبر چنگیز خاں کا معاون تھا

اس لئے قرین قیاس ہے کہ وہ اس کے کئی رموز و نکات سے واقف ہو گا۔ یہ محض قیاس ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح ہو یا غلط چنگیز خاں کے دستور العمل تک ہماری معلومات کی دسترس نہیں ور نہ یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ ملک عنبر کی اصلاحات پر اس کا کیا اثر پڑا۔ ملک عنبر کی اصلاحات کے متعلق جس قدر معلومات دستیاب ہو سکے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

اس نے جمع بندی اور محاصل زمین کے انتظام میں مفید اصلاحات کی تھیں وہ ظلم زیادتی سے خزانہ بھرنا نہیں چاہتا تھا اس نے غیر ضروری محاصل معاف کر دیے تھے۔ اور جمع بندی اور مالگزاری کے بھی ایسے قواعد وضع کئے تھے کہ رعیت خوشی خوشی ادا کرتی تھی اور اس کو اپنے کاروبار سے دلچسپی ہوتی تھی۔ اس کی جمع بندی کا طریقہ اکبر اعظم کے مشہور ٹوڈر مل طریقے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے لیکن فرق یہ تھا کہ اکبر اراضی کو حکومت کی جائیداد سمجھتا تھا اور ملک عنبر نے اپنے ملک کے بہت بڑے حصہ اراضی کو بالکل خانگی کر دیا تھا۔ ہر موضع میں کچھ کھیت ہوتے تھے جو کل موضع کی ملک سمجھے جاتے تھے۔ بنجر اور غیر پیداوار زمیں موضع کے مویشیوں کے لئے چراگاہ کا کام دیتی تھی۔ اس کا اصول یہ تھا کہ پیشہ کاشتکاروں کو اراضی سے دل بستگی کرائی جائے اور پھر وہ اراضی ان کے حوالے

کی جائیں۔ اسی ایک طریقے سے کاشتکاروں کو اپنے
کھیتوں سے دلچسپی ہو سکتی تھی، اور اس طریقہ میں حکومت کے مفاد
پنہاں تھے میراثی اور وطن دار رعایا کو بعض اضلاع میں یہ اختیار
تھا کہ وہ ورثہ میں اپنی اولاد وغیرہ کو اراضی دیں یا دوسروں پر منتقل
کریں۔ جب تک کسان لگان ادا کرتا تھا اس وقت تک اس کو
کھیت کی ملکیت سے بے دخل کرنا ظلم اور غیر مناسب سمجھا جاتا تھا

ملک عنبر سے قبل مالگزاری وصول کرنے کے لئے مستاجر
مقرر ہوتے تھے جو تعہد پر وصول کرتے تھے، اس کی خرابیاں ظاہر
ہیں ملک عنبر نے دستور مستاجری کو ہٹا دیا تھا اور مالگزاری کا انتظام
برہمنوں کارکنوں کے سپرد کیا تھا۔ برہمنوں پر مسلمان عہدہ دار نگرانی
کرتے تھے۔ جن مواضعات کا مالی انتظام بہت خراب ہو گیا تھا
وہاں اس نے ہر کھیت کے متعلق معقول بندوبست کیا تھا۔
کھیت میں جس قدر پیداوار ہوتی اس کے لحاظ سے لگان مقرر
ہوتا ابتداً اس نے نقدی کی بجائے غلہ بطور لگان لیا اور اس
کے وصول کرنے میں پیداوار کا لحاظ رکھا چند فصلوں پر تجربہ کیا گیا۔
جب کھیت کی آمدنی اور قوت پیداواری کا اندازہ ہو گیا تو پھر غلہ
کی بجائے نقدی مقرر کر دی۔ اس طرح زمین کی آمدنی اور قوت زرخیزی

کے اعتبار سے لگان عاید کیا جاتا تھا۔

بہمنی مخطوطات میں لکھا ہے کہ سرکاری زمینات کی پیداوار کا ۲/۵ حصول کیا جاتا تھا۔ مگر زبان زدِ عام یہ ہے کہ مالگزاری بشرح نقدی ۱/۳ تھی۔ شبلی حقربی کے حوالے سے ستارۂ صبح میں لکھا ہے کہ سرکاری محصول کی حد بندی ہوگئی تھی کہ دس فیصدی سے بڑھنے نہ پائے۔

تشخیص بندوبست کے بعد جو رقم مزروعہ اراضی سے وصول ہوتی تھی، اس کو ٹنکا کہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نام عہد اکبر کے چاندی کے سکہ ٹنکہ پر رکھا گیا تھا یہ صحیح نہیں دکن میں یہ سکہ رائج تھا خاندیس، برار، اورنگ آباد، احمد نگر، نلدرگ کے متعلق جہاں بندوبست کی تحقیقات ہوئی ہیں۔ یہ آثار روایتاً پائے جاتے ہیں۔

اٹھائیسواں باب

انتظامی

ملک عنبر نے انتظامی اور عدالتی دو علیحدہ محکمے مقرر کئے تھے وہ ان دونوں کی یکجائی اور انتظام کی خرابیوں سے واقف تھا انتظامی محکمے کی ترتیب یہ تھی کہ ہر مقام پر ایک انتظامی حاکم ہوتا تھا جو وہاں کا پورا انتظام کرتا تھا۔ حفظ امن کے لئے ہر جگہ انتظامی جماعت کے تھانے بٹھا دے تھے اور ایک خاص جنگی جماعت مقرر کر دی تھی تاکہ وہ حدود مملکت کو محفوظ و مضبوط رکھیں، اور رعایا کے امن و امان میں بیرونی خلل پڑنے نہ دیں۔ انتظامی جماعت کی نگرانی کے لئے فوجدار مقرر کئے جو ان پر پوری طرح نگرانی رکھتے تھے اور رعایا پر ظلم و زیادتی نہیں ہونے دیتے تھے۔ صدر جہاں ایک مستقل وزیر ہوتا تھا۔ تاکہ وہ سیرت انسانی

نظام معاشرت کے دایرہ سے باہر نہ ہونے دے اور شریف گھرانوں کی محافظت کرے اور ان میں شریفانہ فضایل اور خاندانی روایات بدستور باقی رہیں [1]

---

[1] تاریخ بحوالہ "مشکل" حضرمی دہلی کا "خلاصۃ الاثر" اور عقد الجواہر ہماری نظر سے
گزرے مگر کتاب "النور السافر" میں اس کی تفصیل نہیں ہے -

انتیسواں باب

عدالتی

انتظامی حاکم کے علاوہ ہر شہر میں ایک عدالتی حاکم بھی ہوتا تھا
اس کا تعلق انتظامی محکمہ سے بالکل نہ تھا۔ عدالتی عہدے قابلیوں
دیے جاتے تھے۔ وہ انفصال مقدمات کرتے تھے قضاۃ کا عہدہ
بہت ہی لایق اور ذی علم لوگوں کو ملتا تھا، چنانچہ اس کا ثبوت
حضرت نظام الدین قاضی عنبر کے تقرر سے ملتا ہے، جو بڑے ادیب
اور فاضل بزرگ تھے وہ صاحب دل ولی سمجھے جاتے ہیں۔ ملک عنبر
نے ان کو جنیر کا قاضی مقرر کیا تھا۔

قاضیوں کے ذمہ نہ صرف انفصال مقدمات تھا، جس طرح
اس زمانے میں عدالتوں کے ذمہ انفصال مقدمات کے علاوہ
اور ضمنی فرائض ہیں۔ اسی طرح قاضیوں کے تفویض قضاۃ کا

اور طلائی گستری کے علاوہ اور کام بھی تھے مثلاً ناپ تول کے پیمانہ جات کی دیکھ بھال، قبالہ جات کی تصدیق وغیرہ چنانچہ اب بھی اس کے آثار ملتے ہیں قصبہ سیوگاؤں ضلع احمد نگر میں قاضیوں کا ایک گھر ہے اس کے دروازے پر جینی کا نشان ہے جو اسقدر صحیح ہے کہ لوگ اب تک اس سے اپنے ناپوں کی صحت اور عدم صحت کا تعیّن کرتے ہیں۔

اس طرح موضع نیس گاؤں تعلقہ سیوگاؤں میں ایک ناٹ بنوائی تھی اور اس کو بیگھہ اور پانڈوں کا پیمانہ مقرر کیا تھا۔ اب بھی اطراف و اکناف کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

تیسواں باب

تعمیرات

در و دیوار افتادہ کو بھی کاش اک نظر دیکھیں
عمارت ساز ہر دم گھر جواب تعمیر کرتے ہیں

ملک عنبر کو فن تعمیر سے خاص ذوق تھا، اور اس میں خاص مہارت رکھتا تھا اس کے اور کارنامے جس طرح لوح تاریخ پر محفوظ نہیں ہیں اسی طرح تعمیر و تمدن کے آثار کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کہیں کچھ ملتا بھی ہو تو وہ بہت ہی ناکافی اور تشنہ ہے، ہم اس کے ان آثار کا ذکر کریں گے جو محققین کی تلاش و تفتیش سے ہماری معلومات کے دائرہ میں داخل ہوئے ہیں۔ تعمیرات کا کوئی خاص محکمہ تھا یا نہیں معلوم نہ ہو سکا قرین قیاس یہ ہے کہ وہ ماہروں کو ہدایتیں کرتا ہوگا اور

اس کی نگرانی مقامی عہدہ دار کرتے ہونگے ملک عنبر کے فن تعمیر
کے کارناموں میں اورنگ آباد کا بسانا سب سے زیادہ درخشاں
ہے۔ ملک عنبر کے ہاتھوں جہانگیری سپہ سالار عبداللہ خاں حاکم
گجرات نے جو شکست کھائی تھی اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں، اس جنگ
میں ملک عنبر نے دولت آباد کے مشرق میں پانچ میل کے فاصلہ
پر کھڑکی نام ایک موضع کو لشکر گاہ مقرر کیا تھا۔ کھڑکی کے معنی
مرہٹی میں سنگلاخ زمین یا چٹان کے ہیں۔ چونکہ یہ موضع بھی ایک
کھڑک پر واقع تھا، اس لئے اس کا نام کھڑکی مشہور ہو گیا تھا
اس مقام پر جب ملک عنبر کو جہانگیر کی افواج قاہرہ کے مقابلہ
میں فتح ہوئی تو اس کو نیک شگون سمجھا اور فتح کی تقریب میں
اس کا نام فتح نگر یا فتح آباد رکھا اور رفتہ رفتہ اس کو اپنا فوجی
صدر مقام بنا دیا۔ اس وقت سے یہاں اس نے فلک رس
عمارتیں۔ عالی شان مسجدیں، وسیع سڑکیں خوبصورت بازار بنائے
وسیع و عریض نہریں اور تالاب کھدوائے خوشنما باغات لگوائے
چند ہی دنوں میں اس کی رونق اور چہل پہل بڑھ گئی اور وہ ایک
آباد اور پر رونق شہر بن گیا۔ اس زمانے میں یعنی ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ء میں عالمگیر
کی توجہوں سے اس کو نہایت بہبودی اور صفائی سے لوٹا کھسوٹا

اور تین دن کی مسلسل ہولناک لوٹ گھسوٹ سے اس کو بالکل
ویران و خراب اور جلا کر خاک کر دیا چنانچہ خود جہانگیر لکھتا ہے :-

"سران لشکر ظفر اثر با سپاہ کینہ خواہ سہ روز در بلدہ کھڑکی
توقف نمودہ شہرے را کہ در مدت بست سال تعمیر یافتہ
بنوع خراب ساختند کہ در بست سال دیگر معلوم نیست
کہ برونق اصلی باز آید"

اس خرابی و بربادی کے لیے جہانگیر نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ
بیس برس سے قبل اپنی پہلی سی رونق اور چہل پہل حاصل نہیں کر سکتا
مگر ملک عنبر نے بہت جلد اس کو اگلی رونق اور شان بخشی۔ اس
زمانے کے شہر کا اندازہ میرزا صادق اصفہانی کے ان اشعار سے ہوگا
جو شہر کھڑکی کی تعریف میں کہے گئے ہیں۔ ملک عنبر کی وفات کے بعد ہی
جب شاہجہاں جنیر میں مقیم تھا میرزا صادق اکبرآباد سے جنیر جا رہا تھا سفر کے
رنج و تعب سے گھبرا گیا تھا جب کھڑکی میں آیا تو ٹھہر گیا۔ اسکی تعریف میں چند شعر کہے ہیں۔

چار دہم روز چو از سیر دہم راہ :: شہر کرکی پدید شد ناگاہ
شہر عنبر نسیم مشک سرشت :: آب او چوں آب کوثر بہشت
خاک آں بقعہ خطۂ فرخ :: راستی آں بنا ز عنبر اوست
ہمہ در قصر آسماں مانند :: سایہ بر اوج دیدہ بر او فکند

ساکنانش ملک نیکوئی ؛ برزمین آمد آسماں گوئی

ملک عنبر کے زمانہ کا فتح نگر پورے طور پر باقی نہیں ہے شہزادہ اورنگ زیب نے اپنی صوبہ داری کے زمانہ میں اس کی خوب تزئین و آرائش کی تھی اور اس کا تاریخی نام اورنگ آباد خجستہ بنیاد رکھا تھا آصف جاہ کے زمانے میں اس کی آبادی عروج پر تھی۔ اس کی قدیم آبادی اور رونق کے آثار اب بھی ملتے ہیں۔ ملک عنبر کے آثار حسنہ میں نہر آب رسانی کا ذکر مقدم ہے۔ ملک عنبر نے کھڑکی میں ایک نہر تعمیر کروائی تھی جو [illegible] میں ختم ہوئی تھی۔ اس کی بنیاد اور تعمیر کے متعلق مورخین کے مختلف بیانات ہیں شبلی اور [illegible] کا بیان ہے کہ اس نے ایک نہر تیار کروائی ہے جو بہت بڑی ہے اور متعدد شہروں کے نیچے سے بہتی ہے مگر اس سے انتفاع ممکن نہیں۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ دربار عادل شاہ کے بعض وزراء اور خصوصاً ملا محمد خراسانی نے اس کی تعمیر کو محال اور بعید الوقوع خیال کیا تھا وہ بہت گہری، چوڑی اور لمبی تھی۔ اس میں پانی افراط سے تھا۔ اس لئے ملا محمد کا گمان تھا کہ اتنا بڑا کام مخلوقات میں سے کوئی انجام کو نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے لئے عمر نوح، صبر ایوب، اور خزانہ قارون کی ضرورت ہے۔ اور یہ شرط باندھی تھی کہ اگر ملک عنبر اس کو پورا کرے تو وہ بہت نذر [illegible]

ملک عنبر نے یہ کام شروع کر دیا۔ قسمت نے یاوری کی اور پندرہ
ہی مہینوں میں کام تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس نہر سے ملک عنبر نے چھوٹی
چھوٹی نہریں نکلوائیں جو باغوں اور کھیتوں کو سیراب کرتی ہیں۔ ان
سے بہت فائدہ پہنچا، اس عظیم الشان کام کے اختتام پر ملک عنبر
نے سادات اور شرفا کو بلا کر انعامات دیے اور خیرات کی۔ یہ واقعہ
۱۰۲۲ھ کا ہے۔ فضلائے وقت نے ہر زبان میں اس کی تاریخ لکھی ہے
لیکن سب سے زیادہ لطیف مادۂ تاریخ "خیر جاری" ہے۔ بیان کیا جاتا
ہے کہ ۱۰۱۹ھ ملک عنبر نے نہر کی تعمیر کا کام ملک وبار خاں کے اہتمام سے
شروع کیا تھا، جو چار سال میں پورا ہوا۔ ڈھائی لاکھ کے قریب اسکی
تعمیر میں خرچ ہوئے۔

اس نہر کی شکل یہ ہے کہ پتھر کی چٹانوں میں سطح زمین کے نیچے
ایک آب گیر بنایا گیا ہے۔ ۱۲ مربع میل کے رقبہ کی بارش کا پانی
اس آب گیر میں جمع ہوتا ہے۔ اس کا آغاز رسول ندی کے قریب
ایک نشیب سے ہوتا ہے۔ کچھ حصہ ندی کے کنارے کنارے
ہے اور کچھ حصہ کی تعمیر ہو کر وہیں ختم ہو گیا ہے، یہ آب گیر سطح زمین سے
۴۲ فٹ نیچے ہے۔ اور (۹۴۰۰) فٹ لمبا تین فٹ چوڑا اور چھ
سے ۱۰ فٹ تک بلند ہے۔ اس کی چھت اینٹ کے ڈاٹ دار کمان؛

سے بنائی گئی ہے اور اس قدرتی چٹان پر کھڑی ہے جس سے اس آبگیر کے
بازو کی دیواریں بنی ہیں۔ اور دو سو یا تین سو فیٹ کے فاصلہ پر آدمی کے
نیچے اترنے کے لئے سوراخ بنائے گئے ہیں اس میں جو پانی آتا ہے
اس کا اندازہ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۴ گھنٹوں میں
(۱۷۰۵۵۳۶) گیلن پانی آتا ہے۔ پانی کے نکال دینے کے لئے
ایک نالہ بنایا گیا ہے جس کو چدر مبہ کہتے ہیں اور جہاں ندی پر سے
گزرتا ہے دو خمیدہ نالیاں بنائی گئی ہیں جو بھدے طور سے تراشی
ہوئی ہیں اور ہر ایک کا قطر دایرہ ۱۲ انچ ہے۔ آب گیر دوسری خمیدہ
نلی کے پاس ختم ہوتا ہے کیونکہ وہاں جھرنا موقوف ہو جاتا ہے، اور
یہاں سے پانی زمین کے نیچے نہر بن کر ایک حوض تک پہنچایا گیا
ہے جس کو کنڈو لکھ کہتے ہیں اور جہاں ایک گا کی مورت پتھر سے تراشی
ہوئی ہے اب پتھر کے خمیدہ نالیاں شکستہ حالت میں ہیں اور آبگیر
کے پانی کا چوتھا حصہ کنڈو لکھ تک پہنچتا ہے اس حوض سے پانی مٹی
کے نل کے ذریعہ سے جو چونے اور پتھر میں بٹھایا گیا ہے اس
خزانہ تک پہنچتا ہے جو دہلی دروازہ کے قریب واقع ہے اس نل
سے ایک دوسرے نل سے جس کو شاہ گنج کا نل کہتے ہیں شہر کے بڑے
حصہ کو پانی ملتا ہے اور شہر کے مغربی حصہ میں جہاں آبادی کم ہے ایک کھلی نہر سے پانی پہنچتا

نہر کے متعلق ایک ماہر فن کا بیان ملاحظہ کرنے کے قابل ہے
"ملک عنبر نظام شاہی تاجداروں کا سپہ سالار اور دولت آباد
کا صوبہ دار تھا۔ وہ جیسا کہ اولوالعزم سپہ سالار اور مدبّر تھا اتنا ہی جلیل القدر
انجینیر تھا۔ فی الوقت ہم کو اس کے دوسرے کارناموں سے بحث
نہیں ہے۔ لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس کی تنظیم آب رسانی
ہندوستان میں سب سے اول اور سب سے آخر عظیم ہے۔ میں
اب نہایت اختصار کے ساتھ اس کا ذکر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں
سنہ ۱۶۱۰ء میں ملک عنبر نے قصبہ کھڑکی جس کو اب اورنگ آباد
کہتے ہیں اپنا مستقر قرار دیا اور فتح نگر کے نام سے موسوم کیا۔ پہلا فیض
رساں کام یہ کیا کہ رفاہ عام کے خیال سے آبرسانی کا انتظام کر دیا۔
یہ تنظیم آبرسانی آج تک نہر عنبری کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی
صورت حال یہ ہے کہ اس نہر میں پانی جمع بھی ہوتا ہے اور اس ہی
میں چھنتا بھی ہے اور پھر مٹی کے نلوں کے ذریعہ جو جال کی طرح
پھیلے ہوئے ہیں تمام شہر میں تقسیم ہو جاتا ہے اس نہر کی لمبائی
پونے تین میل ہے اور ایک ایسے مقام سے شروع ہوتی ہے جو
شہر کی بلند ترین جگہ سے بھی اونچا ہے۔ نہر بعض مقام پر ۵ تا ۴
فٹ عمیق ہے اور سانگوتی ندی کے اونچے کنارے کے برابر

ڈھلاؤ کے ساتھ بہتی ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ ندی کی تہہ سے بہت نیچا ہے۔ اس اُصول سے کون واقف نہیں کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ چنانچہ زیر زمین پانی تہہ ندی میں جانے کے بجائے اس نہر میں آجاتا ہے۔ درحقیقت نہر عنبری ایک معمولی سرنگ ہے جو زمین کے سخت مگر مسامدار طبق میں کھودی گئی ہے اس کے دونوں پہلوؤں پر کسی قسم کی بندش نہیں کی گئی ہے تاکہ اطراف کا تہہ زمین کا پانی آسانی سے فراہم ہوسکے۔ سرنگ کے اوپر کا حصہ پتھر کی کمانوں سے ڈھک دیا گیا ہے تاکہ اوپر مٹی کی بھرت رہ سکے اوسطاً اس کی چوڑائی ڈھائی فٹ ہے اور اس کی گہرائی ڈھائی اور پندرہ فٹ کے درمیان ہے۔ اس کے شروع اور آخر حصہ کی سطح میں جو شہر کے باہر گاؤمکھ پاس ختم ہوتا ہے ایک سو چالیس فٹ کا فرق ہے جس کے باعث پانی بالکلیہ قوت جاذبہ کے تحت بہتا ہے۔ گاؤمکھ سے کچھ ہی دور حدود شہر کے نشیب و فراز جیسے واقع ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے قوت جاذبہ کے تحت بہاؤ سے پانی لیجانا ممکن نہ تھا چنانچہ ان امور کے لحاظ سے اس حصے میں مٹی کے نل بچھائے گئے ہیں۔ یہ مٹی کے نل معمولی کویلو کے مانند ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان کا قطر زیادہ بڑا ہے۔ اور مکانات کے کویلوؤں کی طرح دو ٹکڑوں میں منقسم نہیں ہیں اور سرون کے

ڈاٹ حلقے بنے ہوئے ہیں تاکہ ایک دوسرے میں جڑ کر لمبے لمبے نل بن سکیں۔ مگر ان مٹی کے نلوں میں اتنی جان نہیں ہے کہ یہ پانی کے دباؤ یا اوپر کی مٹی کے بوجھ کو سنبھال سکیں۔ اس لئے ان کو کنکریٹ میں محصور کر دیا گیا ہے جہاں کہیں یہ نل گہری وادیوں میں سے گزرے ہیں وہاں ان کو کنکریٹ اینٹ اور پتھر کی کمانوں کے ذریعہ خوب مضبوط کر دیا گیا ہے۔ نلوں کی قطاروں پر جا بجا اینٹ کے کھوکھلے ستون بنا دیے گئے ہیں تاکہ نلوں کی ہوا خارج ہو اور ذیلی نل گھروں اور حوضوں کیلئے لگائے جا سکیں۔ عوام اپنی ضروریات حوضوں سے پوری کرتے تھے اور خوش باش اپنے گھروں میں نل لگا لیتے تھے

جب اورنگ زیب دوبارہ صوبہ داری دکن پر ۱۶۵۳ء میں مقرر ہوا تو اس نے فتح نگر کو اپنا صدر مقام بنا کر اورنگ آباد کے نام سے موسوم کیا۔ جو اس کی عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد سلطنت مغلیہ کا دارالخلافہ بن گیا۔ اس سے اورنگ آباد کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور پانی کی قلت ہونے لگی۔ جس کو دور کرنے کے لئے عنبری نظام آب رسانی میں توسیع کی گئی اور متعدد جدید نہریں کھود دی گئیں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عروج کے زمانے میں اورنگ آباد کی آبادی تقریباً دو لاکھ تھی اس عہد میں جدید نہریں

[illegible]

آپ یہ تو جانتے ہیں کہ اورنگ آباد تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے ان پہاڑیوں کے ایسے دامنوں پر جو شہر کی بلندی سے زیادہ اونچے ہیں زندہ جاری چشموں کے مقامات پر باولیاں کھودی گئیں اور باولی کے جھرنے کی کمترین سطح کے نیچے نل لگادیا گیا جو پہاڑ اور وادی میں سے گزرتا ہوا مقام خروج تک پہنچایا گیا۔ اسی نوعیت کی تنظیم آبرسانی میں بالکلیہ نل استعمال کئے گئے۔ مٹی کے نل کنکریٹ اینٹ یا پتھر کی بندش سے تھی۔ ایسے مقامات پر نصب کئے گئے تھے جو کہ سطح زمین سے بہت کم نیچے تھے اور جن پر پانی کا زیادہ دباؤ نہیں پڑتا تھا۔ وہ نل وادیوں میں سے گزرتے تھے اور جن پر پانی کا دباؤ پڑتا تھا پتھر کے بنائے گئے تھے یہ نل تین فٹ عرض کے پتھر کے چوکھونٹے ٹکڑے تھے جن میں گول سوراخ اور سروں پر حلقہ اور ڈاٹ ہوتے تھے تاکہ ایک دوسرے میں جوڑ کر پیوست ہوجاویں۔ ان نلوں پر بھی کنکریٹ دیا جاتا تھا۔

اورنگ آباد کے عروج کے زمانے میں نہر عنبری کے علاوہ اس قسم کی بارہ نہریں شہر کو سیراب کرتی تھیں۔ ان میں سے چند اب بھی کارآمد ہیں اور باقی ماندہ اپنی گئی گزری حالت میں بھی معمولی تعمیر و ترمیم کے بعد دوسری ضرورریاست کے لئے کارآمد بن سکتی ہیں۔

میں نے جس طریقہ آب رسانی کا ذکر کیا ہے اس کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ اول سے آخر تک دیسی ہے۔ اس میں مقامی مال ومصالحہ اور مقامی مزدوروں سے کام لیا گیا ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ طریقہ آب رسانی حیرت انگیز طور پر جدت پسند ہے اور فن انجینیری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ لیکن اس نسخے کے بنانے میں فن تعمیر کے سہل ترین اصولوں پر عمل کیا گیا ہے اور اس میں معمولی سے معمولی مال مصالحہ لگایا گیا ہے۔

اس وقت ممالک محروسہ سرکار عالی میں دو ہی ایسے مقامات ہیں جہاں تنظیم آب رسانی ہوئی ہے۔ اس میں قدیم ترین اورنگ آباد ہے اور جدید ترین حیدرآباد۔ حیدرآباد کی تنظیم آب رسانی کی ابتدا آغاز ۱۸۹۳ء میں ہوئی یہ امر آپ سے پوشیدہ نہیں کہ یہ بالکل یورپ کی تنظیم آب رسانی کی وضع پر ہے۔ جو آبی خزانہ نہر مقطار۔ آب انبار شدہ لوہے کے ڈھلے ہوئے نل اور بجلی کے پمپ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ تنظیم پانچ لاکھ آبادی کے لئے ۲۰ گیلن پانی فی کس روزانہ کے حساب سے ہوئی ہے جس کی تکمیل میں سرکار عالی کو تدریجاً تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ صرف کرنا پڑا۔ اور اس کی داشت میں ہر سال تقریباً پونے دو لاکھ روپے الگ خرچ کرنا پڑتا ہے جس میں چالیس ہزار روپیہ صرف پانی کے صاف ہی کرنے میں صرف ہو جاتا ہے اس

ڈیڑھ کروڑ کی رقم میں سے کم از کم دو ثلث روپیہ تو صرف بیرون ملک میں لوہے وغیرہ کا سامان خریدنے میں خرچ کیا گیا۔

جب ہم اپنی دیسی تنظیم آبرسانی کا یورپ کی تنظیم آب رسانی سے مقابلہ کرتے ہیں تو ایک عجیب و غریب فرق پاتے ہیں دیسی تنظیم میں ایک کوڑی بھی ملک کے باہر نہیں جاتی بلکہ جو کچھ بھی روپیہ خرچ ہوتا ہے وہ اس مقام یا اس کے قرب و جوار میں جذب ہوتا جاتا ہے جہاں تعمیر کی جاتی ہے۔ پانی کے جمع کرنے چھاننے اور صاف کرنے یا تقسیم کرنے میں بھی کوئی خرچ لاحق نہیں ہوتا ہے اور رنگ آباد کی تنظیم آبرسانی حالانکہ وسیع پیمانہ پر ہے لیکن اس کی داشت و نگرانی میں پانسو روپیہ سال سے زیادہ خرچ نہیں ہوتے اور اس کم صرفہ کے باوجود بھی وہ بلا کھٹکے تین سو سال سے کام دیتی چلی آرہی ہے[1]

نہر کے سلسلہ میں جالنہ کے موتی تلاؤ (تالاب) کا ذکر بھی ضروری ہے جمشید خاں حاکم جالنہ نے ملک عنبر کے حکم سے یہ تالاب بنوایا تھا ملک عنبر تالاب عموماً ندیوں کے منبعوں کے پاس بنواتا تھا جہاں ان کا پانی روک لیا جاتا تھا اور وہیں خزانہ آب تعمیر کیا جاتا تھا جالنہ کے تالاب کا بھی یہی حال ہے

لہ۔ آب رسانی از مولوی محمد [illegible] صاحب [illegible] ناظم آبرسانی [illegible] سرکار عالی۔

شہر کھرکی میں نہر عنبری کے علاوہ اور بھی آثار ہیں جن میں بھڑکل
کا دروازہ جامع مسجد اور کالی مسجد، نوکھنڈہ محل، بادشاہ حویلی چینا خانہ
بہت مشہور ہے۔

بھڑکل کا دروازہ اب تک محفوظ اور اچھی حالت میں ہے
یہ بڑا مستحکم اور خوبصورت دروازہ ہے۔

نوکھنڈہ محل، ملک عنبر نے ایک محل تعمیر کروایا تھا جس کے
غالباً نو حصے یا طبقے تھے۔ یہ بالکل خراب و ویران ہو چکا ہے کہیں
کہیں آثار نظر آتے ہیں۔ ان دھندلے اور مٹے ہوئے
نشانوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت عالیشان اور
خوبصورت محل تھا۔ اندر جا بجا حوض اور خانہ باغ بھی تھے۔

بادشاہ حویلی کھرکی کے محلہ شاہ گنج میں ایک محل تعمیر ہوا تھا جو
بہت دنوں بعد تک قایم رہا۔ شہزادہ اورنگ زیب کے زمانہ
میں بھی وہ محفوظ حالت میں تھا، اور شاہی افراد اس میں فروکش ہوتے
تھے۔ آصف جاہ اول کے زمانہ میں بھی وہ بقول مآثر الامرا حاکم
شہر کا نشیمن تھا۔

کالا چبوترہ، ہاتھیوں کا تماشہ دیکھنے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اس
پر بیٹھ کر خونیوں کی گردن ماری جاتی تھی۔

کالی مسجد، یہ مسجد جونا بازار سے متصل ایک چٹان پر تعمیر کروائی گئی تھی۔ یہ مسجد اب تک صحیح وسالم حالت میں ہے یہ مثمن ستونوں کی عمارت ہے، پتھر نہایت سیاہ ہے ملک عنبر کی عمارتوں میں سے اکثر سنگ سیاہ سے تعمیر ہوئی ہیں یہ عمارت بہت مستحکم اور خوبصورت ہے، اور اب تک اچھی حالت میں ہے۔

جامع مسجد اورنگ آباد کے تین درجے ملک عنبر نے تعمیر کروائے تھے۔

جالنہ کی جامع مسجد ملک عنبر کے عہد میں جمشید خاں نے تعمیر کروائی تھی جو اس کی جانب سے شہر کا حاکم تھا۔ یہ مسجد اب تک جالنہ میں موجود ہے ناندیڑ میں بھی ایک مسجد تعمیر کروائی تھی، اسی طرح محلہ اسلام (پٹن)، سیوگاؤں، قندھار، مدھول اور بلولی میں بھی مسجدیں ہیں جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ملک عنبر کے زمانے میں تعمیر ہوئی ہیں۔

عنبر ضلع اورنگ آباد کی جامع مسجد کی تعمیر بھی ملک عنبر سے منسوب کی جاتی ہے۔

دولت آباد میں آثار۔ مغلوں کے مقابلے اور ان کی روک تھام

کے لئے ملک عنبر نے قلعہ دولت آباد کے اطراف ایک حصار
بنایا تھا، جو عنبر کوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بنیاد سے کنگرہ
تک ۱۴ گز بلند اور دس گز عریض تھی۔ یہاں ملک عنبر کی ایک حویلی
بھی بیان کی جاتی ہے، اس کے علاوہ اس کے دوسرے امیروں
کی بھی حویلیاں تھیں۔

انتور میں آثار ملک عنبر نے قلعہ انتور پر قبضہ کر لیا تھا، یہ اس پہاڑی
پر واقع ہے جو سطح مرتفع دکن کو خاندیس سے جدا کرتی ہے
اس پر ملک عنبر کا دیرپا قبضہ رہا ہے، اور اس کے محل وقوع کی اہمیت
پر نظر کرتے ہوئے اس نے اس کو اپنا فوجی مقام بنا لیا تھا اس کی
تصدیق قلعہ کے بعض کتبوں سے ہوتی ہے۔ یہ کتبے ان عمارتوں پر
ہیں، جو ملک عنبر کے زمانے میں تعمیر ہوئی ہیں۔
قلعہ انتور کی شمالی مغربی دیواروں کے اتصال پر ایک برج
ہے، جو شدہ برج کہلاتا ہے، اس پہ کتبہ ہے۔

شد شدہ برج بنا در عہد ظل اللہ برہان نظام شاہ بحکم نافع البشر
ملک عنبر ہنوز دھم رجب در سنہ تسع عشر الف
۱۰۱۹

قلعہ کے اندر ایک مسجد ہے جس کے پیش طاق پر ایک کتبہ
ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۰۲۴ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔

"دردوراشرف ہمایون ظل اللہ برہان نظام خلد اللہ ملکہ وسلطانہ بامر مؤید دین متین پیغمبر ملک عنبر شد بانی مسجد از بہر ثواب دارین اسمٰعیل حسین در ربیع عشرین"۔

قلعہ کے دروازوں میں سے ایک پر ۱۰۳۵ھ کا حسب ذیل کتبہ ہے۔

"کشاد بادولت شد این درگاہ بحق اشہدان لا الہ الا اللہ
در دور شاہ عادل خرد کامل ظل اللہ سلطان جاہ خلایق پناہ
السلطان برہان نظام شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وافاض علی العالمین
برہ واحسانہ بامر مرید مالک البحر والبر مملکت مدار ملک عنبر دام عزہ واقبالہ
شد بانی این درگاہ عالیہ مالک خان عالی شان نتیجۃ الاعیان
شجاعت نشان ناصر الخوانین فی الزمان ناصر خان دام عزہ
وتاریخ سنہ خمس وثلاثین والف ہجرت النبی علی مشرفہا الصلوٰۃ وتحیہ"

یہی سال ملک عنبر کی وفات کا بھی ہے۔ وفات سے قبل یہ تعمیر ہو چکا تھا۔

قندھار میں آثار

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ملک عنبر نے عادل شاہ سے قریب ۱۰۱۸ھ قلعہ قندھار لے لیا تھا۔ اس میں اس نے سامان رسد ذخیرہ اور اپنے متعلقین کو رکھا تھا قندھار دراصل اس کا فوجی مرکز تھا۔ قطب شاہیوں

کی سرحد یہیں سے شروع ہوتی تھی۔ یہاں بھی ملک عنبر نے تعمیراتی کام کیے ہیں۔
قلعہ کی مرمت کروائی۔ ان برجوں کی تعمیر تکمیل کو پہنچا دی جو عادل شاہیوں کے دور میں تیار ہو رہے تھے۔ قلعہ کی مسجد جو عادل شاہی دور میں زیر تعمیر تھی وہ بھی ملک عنبر کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی۔ اس مسجد کے پیش طاق کے بیرونی بلند حصہ پر دو کتبے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر کے عہد میں اس کی تعمیر ختم ہوئی۔ ایک کتبہ ہے۔
"مرتب شد در وقت ملک عنبر" قاضی محلہ کی مسجد بھی ملک عنبر نے بنوائی تھی مسجد میں کوئی کتبہ وغیرہ نہیں البتہ کسی مقامی شخص کی بیاض میں یہ بیت ہاتھ آئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۲۴ھ میں اس کی تعمیر ہوئی ہے۔

ہزار و بست و دو بود ز ہجر پیغمبر
بہ عہد والی دیں حضرت ملک عنبر

حاجی سیاح سرور مخدوم کے روضہ کے باہر ایک عاشور خانہ بنوایا تھا جو بڑے عاشور خانے کے نام سے موسوم ہے یہاں اب حسینی علم ایستادہ ہوتے ہیں۔

جنیر میں آثار جب جنیر کو ملک عنبر نے ۱۰۱۶ھ میں نظام شاہی پایہ تخت مقرر کیا تھا، تو وہاں نہایت خوشنما عمارتیں اور عالیشان مکانات بنوائے تھے، جن کا اجمالی ذکر تاریخوں میں ملتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ملک عنبر کی وفات کے بعد ہی ۱۰۳۶ھ میں جب شاہ جہاں پھر مہمات دکن پر مامور ہوا تو وہ ناسک میں ٹھہرنا چاہتا تھا، لیکن وہاں اس کا کوئی بنگاہ نہیں تھا، اس لیے جنیر گیا جہاں ملک عنبر کی عمارتیں تھیں۔ عمل صالح کا مولف ان کے متعلق لکھتا ہے "چونکہ ناسک کی ہوا نہایت گرم تھی اور شاہ جہاں کے موافق مزاج نہ تھی اس لئے دار الخیر جنیر جو دلکشائی نزہت فضا، عذوبت و لطافت آب و ہوا رکھتا ہے قیام گاہ قرار پایا۔ اور شاہ جہاں ان عمارت ہا خوش اور نشیمن ہائے دلکش میں فروکش ہو گیا۔ جن کی بنا ملک عنبر نے ڈالی تھی۔"

مزارات کلبرگہ میں روضہ بزرگ کے پائیں دروازے کے قریب ایک گنبد ہے جس کو ملک عنبر نے اپنی زندگی میں ۱۰۳۰ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس میں اس کی قبر ہے۔ گنبد کے دروازے پر ایک سنگ سیاہ ہے۔ جس پر خط نسخ میں یہ کتبہ ہے۔ جو بہت جلی [illegible]

لمبا اور دو فٹ چوڑا ہے۔ پتھر کا حاشیہ خوشنما بیل بوٹوں سے آراستہ ہے، بیچ میں یہ مصرع لکھا ہوا ہے۔

چہ خوش دید گنبد بنا کرد عنبر

گلبرگہ میں جس قدر کتبے ہیں ان سب میں اس کو بہتر سمجھا جاتا ہے، روضہ خلد آباد میں ملک عنبر کا مزار ہے جس کو اس نے اپنی زندگی میں تعمیر کروایا تھا قبر پر بہت مستحکم اور محطہ گنبد ہے پورا گنبد پتھر کا ہے۔

اکتیسواں باب

صنعت وحرفت

دکن میں قدیم سے صنعت وحرفت کو بہت عروج تھا۔ اور بہمنی سلطنت اور اس کے بعد دکن کی مختلف ریاستوں کی سرپرستی میں صنعت وحرفت نے بہت ترقی کی تھی۔ چنانچہ یہاں پارچہ بافی، نجاری، لوہاری، کاغذسازی، ظروف سازی، ہتیارسازی، روغن سازی رنگ ریزی وغیرہ کی صنعتیں قدیم سے قایم تھیں ٹھیک ٹھیک یہ نہ معلوم ہوسکا کہ ملک عنبر نے ان صنعتوں کو ترقی دینے میں کیا کوشش کی، چند حوالے تاریخوں میں ملتے ہیں، جن سے اس کے زمانے کی صنعت وحرفت پر روشنی پڑتی ہے، ہم ان کو ذیل میں درج کرتے ہیں۔

پارچہ بافی ملک عنبر کے زمانے میں پارچہ بافی کی صنعت وحرفت

بہت عروج پر تھی، کھڑکی اور خاص کر پٹن میں پارچہ بافی کے سیکڑوں کارخانے تھے۔ چنانچہ ملک کے بڑے بڑے شہروں اور خصوصاً پٹن اور کھڑکی میں۔ کمخواب، زربفت، بلبل چشم مرغ زالہ۔ گنگا جمنی دھوپ چھاؤں، چاند تارہ، مشجر، زری شامیانہ، چھتر، جھول چارجامہ وغیرہ نہایت نفیس اور عمدہ تیار ہوتے تھے۔ ان شہروں میں کارچوبی کام بھی اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا، بادلہ، سلمہ، ستارے اور گوکھرو، موتی اور مور وغیرہ سے کارچوب کا کام کیا جاتا تھا۔ یہ کام ہوتی اور ریشمی کپڑوں اور مخمل وغیرہ پر زر سے کیا جاتا تھا، اس کام کے کرنے والے زردوز کہلاتے تھے۔ یہ کام ملک عنبر کے زمانے میں بھی ہوتا تھا چنانچہ جیسا کہ ہم تزک جہانگیری اور دوسری تاریخوں میں ان تحفہ تحائف کی فہرست دیکھتے ہیں، جو اہل دکن اور خصوصاً ملک عنبر کی جانب سے دیے جاتے تھے تو یقین ہوتا ہے کہ یہ کام اس زمانہ میں نہایت نفاست اور عمدگی سے ہوتا تھا۔ ملک عنبر کے زمانے میں یعنی ۱۶۰۹ء میں قطب شاہ کے دربار سے ایک ایرانی سفیر واپس ہو رہا تھا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے ہمراہ کمخواب کا ایک ٹکڑا لے گیا جس کو پٹن کے کاریگروں نے پانچ برس میں تیار کیا تھا۔ ہزار ہزار روپے کے تھان تیار ہوتے تھے اس حوالے سے پتہ لگتا ہے

کہ یہاں ایسے پارچے تیار ہوتے تھے جو اکبر و جہانگیر اور شاہان ایران کے دربار میں بطور تحفوں کے بھیجے جا سکتے تھے۔ اکبری دربار کا مشہور ملک الشعراء فیضی دکن آیا تھا۔ اس نے یہاں سے ایک عرضداشت بادشاہ کے حضور میں بھیجی تھی، جس میں پٹن کی صنعت پارچہ بافی کے متعلق لکھا ہے "صنعت پارچہ بافی در پٹن بے بدل است"، اکبری دربار کے ایک زبردست امیر کا اس طرح بے ساختہ تعریف کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ واقعی یہاں کی صنعت ہندوستان میں جواب نہیں رکھتی تھی۔

جو سوتی اور ریشمی پارچے یہاں تیار ہوتے تھے، وہ خود ملک میں استعمال کئے جاتے تھے، بادشاہی امیر، دولت مند اور صاحب حیثیت لوگ اعلیٰ درجے کا کپڑا استعمال کرتے تھے۔ بیرون ملک بھی یہاں کا کپڑا جاتا تھا، چنانچہ صاحب محبوب الدین نے رفیع الدین شیرازی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رفیع الدین شیرازی ایک مرتبہ دولت آباد نفر جا گیا تھا، اور ملک عنبر کے دولت خانہ پر ٹھیرا تھا۔ اس نے ملک عنبر کے دیوان محاسب سے پوچھا کہ دولت آباد، کھڑکی اور پٹن سے کسقدر ریشمی پارچہ غیر ممالک کو جاتا ہے تو اس نے جواب دیا سال بھر میں تین حزوار، (ایک خروار تین من

اٹھارہ سیر کے برابر ہوتا ہے) اور پانچ لاکھ من اس سے سالانہ آمدنی سرکاری خزانہ میں داخل ہوتی ہے۔ ایک من سوا تین روپے کا ہوتا ہے گویا اس طرح ۱۶،۱۱ لاکھ روپے سالانہ محض پارچہ ریشمی کی برآمد سے سرکار کو ملتے تھے۔ پہلے اس سے بھی زیادہ آمدنی تھی۔ اب کم ہو گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل جنگ و جدل سے اس صنعت کو نقصان پہنچا تھا۔ اور ملک عنبر اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ کرسکا۔

کاغذ سازی

کاغذ سازی کا خاص مرکز دولت آباد تھا۔ یہاں طرح طرح کے کاغذ تیار ہوتے تھے۔ نظام شاہی عملداری میں جو کاغذ تیار ہوتا تھا وہ نظام شاہی کاغذ کہلاتا تھا۔ فیضی نے دولت آباد کی کاغذ کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ صنعت دولت آباد میں بہت قدیم سے تھی، اور اب بھی مشہور ہے لیکن اب اس کا رواج نہیں اور نہ وہ بدیسی کاغذ کا تجارتی نقطہ نظر سے مقابلہ کرسکتی ہے۔ یہی حال پارچہ بافی کی صنعت کا ہے۔ اب بھی پٹن اور اورنگ آباد میں کارخانے قایم ہیں لیکن ان کو اگلی رونق نصیب نہیں اور بمنزلہ مردہ ہیں۔

لوہاری اور ہتیارسازی

لوہاری کا کام قصبہ قصبہ میں ہوتا تھا۔ آلات کاشتکاری وغیرہ سب بنائے جاتے تھے۔ اسلحہ کے سلسلہ میں

معمولی ضروریات کی چیزیں مثلاً چھریاں، چاقو۔ نعل۔ چمچے۔ ہتھوڑے کلہاڑیاں، برچھے وغیرہ سب قصبوں اور قریوں میں تیار ہو جاتے تھے، البتہ ہتیار بڑے شہروں میں تیار ہوتے تھے، دکن کے شہروں میں اب بھی جو ہتیار پائے جاتے ہیں اور ملک عنبر کے زمانہ میں جن ہتیاروں کا ذکر تاریخوں میں کہیں کہیں ملتا ہے۔ وہ سب تیار ہوتے تھے چنانچہ تلوار کی قسموں میں، صحرائی، پٹہ، بتی۔ اصل مصری فرہنگ، خنجر، کرچ، تیغہ، نیمچہ، وغیرہ تیار ہوتے تھے۔ جنبیہ کٹار، بچھوا، بانک، مارو، چورا، سناں، صفدرہ، پیش قبض، بھالے بلم، سلم، اٹیا وغیرہ بھی بنائے جاتے تھے۔ قرابین، بندوق۔ تفنگ وغیرہ بھی تیار ہوتے تھے، اس کے علاوہ توپیں بھی ڈھلتی تھیں، توپیں قدیم سے نظام شاہی عمل داری میں ڈھلتی تھیں اور یہاں کی توپیں بڑی اور کارآمد ہوتی تھیں جن کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی ہے۔ چنانچہ بیجاپور، دولت آباد، قندھار وغیرہ میں اب تک یہاں کی توپیں موجود ہیں، اور بے مثل کاریگری کا ثبوت دیتی ہیں۔ تلوار اور خنجر وغیرہ کے قبضوں پر سونے چاندی کا نفیس کام بھی ہوتا تھا اور ڈھالیں بھی عمدہ تیار ہوتی تھیں جن پر سونے چاندی کا کام ہوتا تھا۔

ملک عنبر کے زمانے میں پارچہ بافی اور ہتیار سازی کی صنعتوں کو کافی عروج تھا، لیکن ٹامس رو جہانگیری دربار کے انگریز سفیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ایک مرتبہ اپنے فوجیوں کے لباس اور ہتیار کے لیے بدیسی کپڑے اور تلواروں کی ضرورت پڑی تھی چنانچہ ٹامس رو ۱۸ ارجون ۱۶۱۷ء مطابق ۱۰۲۷ھ کو لکھتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سپہ سالار ملک عنبر نے امیر البحر اپیراگ کے ذریعہ فرمایش کی کہ اس کے لشکر میں جو برہان پور سے چھ دن کی مسافت کے فاصلہ پر ہے انگریزی کپڑا اور تلواریں فوجیوں کے لیے بھیجی جائیں۔ یہ انگریز نا رکارہ آدمیوں کے لئے بہترین خدمت ہے اس سے ہماری ان تجارتی اشیا کی نکاسی اور ترقی ہوگی جو موجود ہیں اور جن کی مانگ نہیں ہے۔"

انگریز اس زمانہ میں شروع شروع تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی فکروں میں تھے، ان کی صنعت و حرفت قابل وقعت نہ تھی ملک عنبر کے ملک میں خود اعلیٰ درجہ کی صنعت تھی، معلوم ہوتا ہے کہ شدید ضرورت سے اور کام نکالنے کے لئے اس نے فرمایش کی ہو، یا ممکن ہے کہ کوئی اور مصلحت ہو۔ ورنہ جہاں تک واقعات شاہد ہیں قرین قیاس یہ ہے کہ اس کو انگریزی کپڑوں اور تلواروں کی

کی کوئی ضرورت نہ تھی، ملک میں خود اس سے بہتر صنعت تھی۔ وقت اور مصلحت کے اعتبار سے شاید اس کو ایسا کرنا پڑا ہو یا بہت ممکن ہے کہ نو وارد انگریز تاجروں کی حوصلہ افزائی مقصود ہو۔

نجاری

نجاری کی صنعت کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے معمولی ضروریات کی چیزوں کے علاوہ اعلیٰ درجہ کا کام بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ قدیم عمارتوں میں اب بھی اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔ پٹن کے نجار بہت مشہور تھے، لکڑی پر باریک اور نازک کام بہت عمدگی سے کرتے تھے ساگوانی لکڑی پر بیل بوٹے مختلف شکلیں اور تصویریں بڑی نفاست اور عمدگی سے بناتے تھے، پٹن میں اب بھی اس کے نمونے ملتے ہیں، ملک عنبر کے زمانہ کی عمارتوں میں (جو گو اس کی بنائی ہوئی نہیں ہیں، لیکن اس کے عہد میں تعمیر ہوئی ہیں) بعض بڑے لاثانی نمونے ملتے ہیں۔ پٹن کے کاریگر دور دور بلائے جاتے تھے۔

اس کے علاوہ سناری کا کام بھی بہت اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا۔ سونے چاندی کے زیور بہت خوبصورت اور مختلف وضع قطع کے تیار ہوتے تھے۔

رنگ سازی کا کام بہت عمدگی سے ہوتا تھا اور رنگ کے

کارخانے ملک میں پچاس سال قبل تک تھے عرق بھاڑی اور روغن کشی کی صنعت کو بھی فروغ تھا۔ روغن کشی تو قصبہ قصبہ میں عام تھی البتہ عرق سازی کے کارخانے بڑے شہروں میں تھے چوڑیاں اور شیشے کے برتن بھی تیار ہوتے تھے اس کے کاریگر کسار کہلاتے تھے سونے چاندی کے ورق کا کام بھی ہوتا تھا۔ اس کے کاریگر کو ورق ساز کہتے تھے۔

چرم سازی کو بہت فروغ تھا، معمولی ضروریات کی چیزیں مثلاً جوتا، چھاگل وغیرہ کے علاوہ جنگی طبل نقارے ڈھول، نیام بھی تیار ہوتے تھے۔

کمہاری کے کام میں مختلف قسم اور وضع قطع کے ظروف کے علاوہ ٹلوے اور دیگر ضروریات کی چیزیں تیار ہوتی تھیں۔

خشت سازی کا کام بہت عمدہ پیمانہ پر ہوتا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ کی اینٹیں اب بھی عمارتوں میں نظر آتی ہیں اور پختگی اور پائیداری میں پتھر کا مقابلہ کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ چھوٹی بڑی صنعتیں جو ضروریات زندگی کے لئے ضروری ہیں، عام طور پر رائج تھیں کوئی چیز باہر سے نہیں آتی تھی۔

گو ملک میں عام طور پر یہ صنعتیں جاری تھیں اور اس کے متعلق تاریخی حوالے بھی ملتے ہیں لیکن وہ صنعت خود پہلے ہی سے ملک میں رائج تھیں۔ ملک عنبر کے متعلق صاف تاریخی ثبوت اور تحریری سند اس امر کی نہیں ملتی کہ اس نے صنعت و حرفت کو ترقی اور عروج دینے میں کیا کوشش کی۔ وہ مسلسل سخت جنگوں میں گھرا رہا۔ اس کو مشکل سے بھی راحت اور فرصت نصیب نہ ہو سکی۔ مغلوں نے بھی ملک میں بہت لوٹ مار مچائی تھی، کاریگروں کو وہ لوٹ مارتے اور قتل کر دیتے تھے چنانچہ مغلوں کی فوج نے پٹن کو جس بیدردی سے لوٹا اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک جگہ یہی لکھا ہے کہ ہزارہا کاریگروں کو تیغ بے دریغ سے قتل کر دیا۔ ان حالات کے تحت ترقی مشکل تھی، تاہم ان میں زوال بھی نہ آیا ملک عنبر نے ان کو حتی الوسع سنبھالے اور ترقی دینے کی کوشش کی چنانچہ اس نے پیشہ وروں وغیرہ کے محصول معاف کر دیے تھے اور ان کو اس طرح سہولت بہم پہنچائی تھی۔

تجارت

ملک عنبر نے اندرون و بیرون ملک تجارت کی راہیں کھول دی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہزارہا روپے [illegible] آتا تھا اس کے جہاز بھی تھے، خلیج فارس کے راستہ

اس کے تجارتی جہاز غیر ممالک کو جاتے تھے۔ تجارتی محصول کی بھی
اس کو کافی آمدنی تھی چنانچہ صرف تین شہروں یعنی دولت آباد
پٹن اور کھڑکی سے اس کو ۱۶-۱۷ لاکھ روپیے سالانہ کی آمدنی
تھی اور وہ بھی صرف ریشمی پارچے کی، اس کے علاوہ دوسری
اشیا بھی باہر جاتی ہوں گی جس سے ظاہر ہوتا ہے تجارت کو بھی
کافی فروغ تھا۔

تیسواں باب

رفاہ عام

رفاہ عام کے کاموں میں سے جن کا ذکر ستارۂ صبح میں ہے۔
ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کے لئے ہر مدرسہ میں مکاتیب کھولے۔ تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ تعلیم کے مصارف کا بار سرکاری خزانہ پر پڑتا تھا رعایا سے کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

بہت سے پل، مسجدیں، خانقاہیں اور چاہ، سڑکیں بنائیں۔ حفظان صحت میں ترقی کی تدبیریں عمل میں لائی گئیں۔ رفاہ عام کے لئے بے نظیر [illegible] جاری کیں۔ تجارت کو فروغ دینے میں آسانیاں پیدا کی گئیں۔ غیر ضروری محصول معاف کر دئے۔ پیشہ وروں کو محصول معاف تھا۔

ڈاک کا اچھا انتظام کیا، جا بجا ہرکارے مقرر کئے۔ وہ خبریں پہنچاتے تھے، ان پر نگراں متعین کئے کہ جھوٹی خبریں نہ دیں۔

تینتیسواں باب

علم و ادب

ملک عنبر نے علم و ادب کی بھی سرپرستی کی ہے۔ اس
کے دربار میں علما اور شعرا رہتے تھے۔ وہ عالموں کی بہت قدر
کرتا تھا۔ خصوصاً عرب کے مشاہیر شعرا اُن کی قدردانی کے
سبب اس کے دربار میں ہمیشہ جمع رہتے تھے۔ ان عالموں اور
اور شاعروں کے حالات کارناموں کا حال پوری طرح
معلوم نہیں۔ اس کے درباری ادیبوں میں شلی تریمی کا نام
نام پایا جاتا ہے جو گیارھویں صدی ہجری کا مشہور عرب
مورخ ہے۔ اس کی مشہور تاریخ عقد الجواہر ہے جو گیارھویں
صدی ہجری کے مشاہیر کے حالات پر مشتمل ہے اس میں

ملک عنبر کے حالات بھی درج ہیں۔ شبلی کا بیان ہے کہ شعرا اس کے دربار میں حاضر ہوتے تھے، بہترین قصیدے لکھتے تھے اور خاطر خواہ انعام پاتے تھے عرب کے کئی شاعر اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک عنبر نے علم و ادب کی اور خصوصاً عربی ادب کی بڑی سرپرستی کی ہے ہندوستان میں غالباً وہ پہلا اور سب سے زیادہ سرگرم، فیاض اور دریادل حاکم تھا جس نے عربی ادب کی سرپرستی کی ہے۔

عربی کے علاوہ غالباً فارسی کے شاعر بھی اس کے دربار سے وابستہ تھے، اور اس نے فارسی ادب کی بھی قدر کی ہے چنانچہ اس کی شان میں ایک مشہور شعر ہے۔

در خدمت رسول خدا یک بلال بود
بعد از ہزار سال ملک عنبر آمدہ

فارسی شاعروں اور ادب کی قدردانی کا ثبوت ان کتبوں اور تاریخوں سے بھی ملتا ہے جو اس کی عمارتوں پر ہیں اور جو اس کی زندگی کے اہم بالشان واقعات سے متعلق ہیں۔ اس کی وفات پر بہترین مرثیے لکھے گئے۔ زندگی میں اس کی شان میں قصیدے لکھے گئے۔ شبلی اور محبی کے بیان کے مطابق اطراف و اکناف

سے مشہور شاعر اس کے دربار میں جمع ہوتے تھے وہ بڑی فیاضی سے داد و دہش کرتا تھا۔ اہلِ علم اور اصحابِ فضیلت کی قدر کرتا تھا۔ ان واقعات سے اس کی علمی سرپرستی کا بیّن ثبوت ملتا ہے عربی و فارسی ادب کی قدر دانی کے علاوہ اس نے ہندوؤں کے علوم و فنون کی بھی سرپرستی کی ہے اس کا ثبوت اس امر سے مل سکتا ہے کہ اس نے اپنے صدر مقام ٹھٹھہ کی میں ایک چیتیا خانہ بنوایا تھا جس میں پنڈت، علما اور متعلمین درس و تدریس اور دوسرے علمی کاموں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ چیتیا خانہ مرکب لفظ ہے بمعنی علم و فہم اور خانہ بمعنی مقام۔

چونتیسواں باب

اہل و عیال

(۱)

ملک عنبر کی شادی کب اور کہاں ہوئی کہیں پتہ نہیں لگتا، البتہ یہ بتایا جاتا ہے کہ مریم اس کی اہلیہ کا نام تھا۔ تاریخوں میں اس کے تین لڑکوں کے نام ملتے ہیں۔ (۱) فتح خاں (۲) چنگیز خاں (۳) سید علی۔

فتح خاں عبدالعزیز عزیز الملک کا خطاب تھا، جو اپنے باپ کے بعد چھ سات برس مغلوں سے مقابلے کرتا رہا، لیکن ناموافق حالات اور حوصلہ شکن ماحول سے مجبور ہو کر مغلوں کی اطاعت قبول کر لی۔ تاریخوں میں اس کے ایک بیٹے عبدالرسول کا ذکر ملتا ہے جب فتح خاں نے مغلوں کی اطاعت قبول کی تو شاہجہاں نے اس کے

بیٹے عبدالرسول کو بطور یرغمال دربار میں طلب کیا۔ اس کے بعد جب اس کو اطمینان ہوا تو خلعت گھوڑا اور خنجر وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ فتح خان ملک عنبر کا بڑا بیٹا تھا ملک عنبر نے اس کی شادی عادل شاہ امیر یاقوت خاں کی بیٹی سے کی تھی۔

یاقوت خان دربار بیجاپور کے مخصوص امیروں میں تھا، ابراہیم عادل شاہ اس کو فرزند کہتا تھا، اس کا مکان "یاقوت محل" اب تک بیجاپور میں ہے۔ شادی بڑے تزک واحتشام سے ہوئی تھی ابراہیم عادل شاہ نے دولہے کو لانے کے لئے اس زمانے کے مشہور بزرگ حضرت مولانا سید حبیب اللہ قدس سرہ کو جنیر بھیجا جو نظام شاہی پایہ تخت تھا۔ مولانا تشریف لے گئے اور حمید العزیز کو جنیر سے بیجاپور لائے۔ اس کی قیام کے لئے کشور خاں کی عالیشان حویلی دی گئی۔ شادی مراسم اور کتخدائی کے لوازم بڑی خوشی شادمانی اور شان وشکوہ کے ساتھ ادا ہوئے۔ عروس دولہا و جہیز کے سامان کے ساتھ جنیر روانہ ہوئے۔ ابراہیم عادل شاہ نے اپنے دربار کے کئی ذی مرتبہ امراء کو ہمراہ کیا۔ دولہا دلہن جب بخیر وخوبی جنیر کے قریب پہنچے تو ملک عنبر استقبال کو آیا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ امراء دربار عادل شاہ کی بڑی خاطر تواضع کی

ان کی شان اور مرتبے کے لحاظ سے خلعت اور زر و جواہر دے کر رخصت کیا۔

مغلوں کی اطاعت قبول کرنے کے بعد فتح خاں کو لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر مقرر ہو گئی تھی دوسرا لڑکا چنگیز خاں تھا اس کو مغلوں نے دو ہزاری کا منصب عطا کیا تھا اور منصور خاں کا خطاب دیا تھا۔

عالمگیر نے اپنی سینتالیسویں سالگرہ کے موقع پر "جشن خجستہ" منعقد کیا تھا اس تقریب میں انعامات دے۔ منصور ولد ملک عنبر کو ایک ہزار پانسو روپے دیا یہ لاہور میں امیرانہ زندگی بسر کرتا رہا۔ اس کا اصل نام معلوم نہیں، ملک عنبر نے غالباً اپنے قدیم آقا کے نام پر اس کو خطاب "چنگیز خاں" دیا تھا۔ تیسرے لڑکے سید علی کا حال معلوم نہیں۔ صرف شاہ جہاں نامہ میں اس کا نام "سید علی ولد ملک عنبر" لکھا ہوا ہے۔ اور اس قدر اشارہ ہے کہ وہ پانصدی سوار تھا۔ سید علی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ شاید سیدی علی ہو۔ یا ممکن ہے کہ ملک عنبر نے اپنے پرانے رفیق سید علی کے نام پر اسی کا نام رکھا ہو جو عبرت دلے نوائی میں مونس و ہمدم تھا ؟ ماثر الامرا جلد سوم میں "میرزا ایرج پسر ملک عنبر" کا نام ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سہو ہے۔ ملک عنبر کی دو لڑکیاں بتائی جاتی ہیں، ایک حکیما بانو اور دوسری

شہر بانو۔ دونو بیگمات مدت تک قندھار میں رہیں۔ دونوں کی قبریں وہاں موجود ہیں شہر بانو کی بیٹی عزیزہ بانو تھی، جس کی شادی سیدی عبداللہ سے ہوئی تھی۔ حلیما بانو کے بیٹے حمید خاں تھے۔ دونوں بیگمات کی اولاد سے لوگ اب تک موجود ہیں۔ ناندیڑ ضلع ویلوب ان کی جاگیر ہے جس پر وہ اب تک متصرف ہیں"۔ [1]

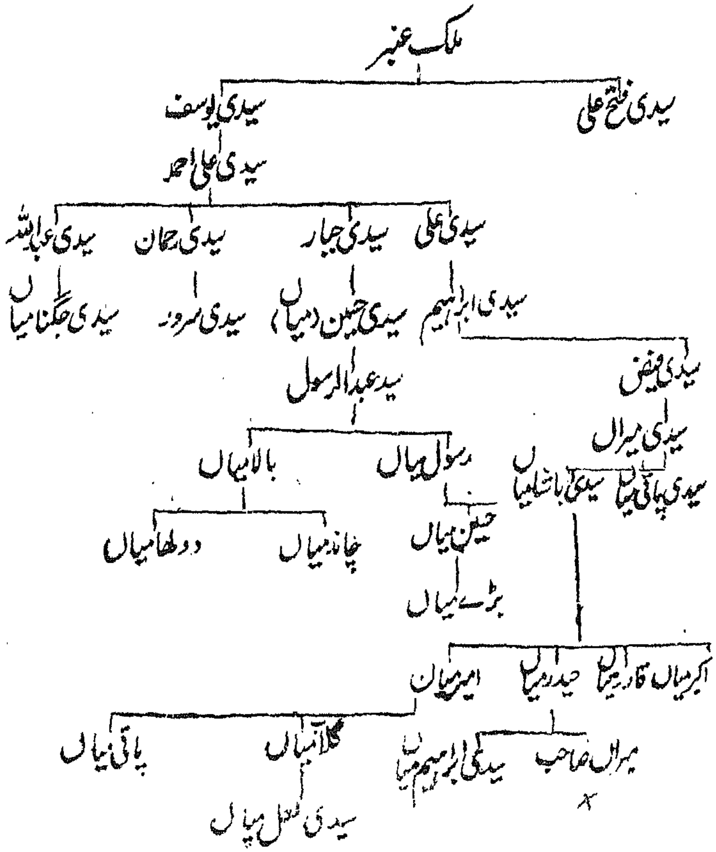
تحفتہ الملوک میں لکھا ہے کہ ملک عنبر نے نظام شاہ کو اپنی لڑکی بیاہ دی تھی ماثر رحیمی میں بھی یہی لکھا ہے۔ جوہر حبشی کو بھی ملک عنبر کا داماد بتایا جاتا ہے، نہ معلوم اس سے کونسی لڑکی بیاہی گئی تھی۔

(۳)

عنبر اپور تعلقہ سیو گاؤں ضلع احمد نگر میں ملک عنبر کی اولاد سے لوگ موجود ہیں۔ ان کے پاس عالمگیر، شاہ عالم امیر الامرا غازی الدین خاں، نظام الملک، شاہو، بھاجی سند ہے اولی دولت راے سند ہے۔ جنکوجی سند ہے، جیاجی راؤ سند ہے وغیرہ کے زمانہ کے کاغذات، دستاویزات اور مصدقہ نقول موجود ہیں۔ ان کے پاس ایک شجرہ زبان مرہٹی لکھا ہوا ہے

[1] تاریخ قندھار۔

جس کی تصدیق قدیم دستاویزات سے ہوتی ہے۔ یہ کاغذات دراصل جاگیر کی کارروائی کے سلسلہ میں حاصل کئے گئے ہیں، پہلے ہم شجرہ لکھتے ہیں۔ اصل شجرہ مرہٹی میں ہے۔



۲۱ر ڈسمبر ۱۹۲۶ء کو میراں صاحب عرف بالا میاں سے میری ملاقات ہوئی تھی میں نے خواہش کی تھی تو وہ سب کاغذات لے کر عنبرا پور سے پٹن آئے ان کاغذات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر کے مزار کے روغن چراغ کے لیے ایک موضع جاگیر میں دیا گیا تھا۔ چنانچہ ماثرالامرا کے مولف کا بیان ہے کہ "ان تمام انقلابات کے باوجود تا حال ایک موضع اس کے مزار کے روغن چراغ کے لیئے انعام میں بحال ہے"

یہ موضع کس زمانہ میں انعام میں دیا گیا تھا معلوم نہیں۔ ان کاغذات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں نے رمضان ۱۰۶۳ھ میں سیدی یوسف کو دیا تعلقہ بعد کو ایک متولی مقرر کیا۔ پھر سیدی یوسف نے درخواست کی تو حضرت خلد مکان عالمگیر کے زمانے میں اس کو دے دیا گیا اس کے بعد شاہ عالم بادشاہ غازی کے زمانے میں ۱۱۹۱ھ میں موضع کی جمع ۱۲ اسو ہن (۴۰۰۰ روپیے) بجائے موضع کے مقرر ہوئے اسی طرح بخشی الممالک امیر الامرا کے زمانے میں بھی انعام بحال رہا۔ انعام میں عنبرا پور موضع ملا تھا۔ یہی موضع شاہ جہاں نے بھی دیا تھا۔

شاہو نے ۱۱۶۶ سمبت میں موضع انعام میں بحال رکھا۔ پھر ۱۰اجی سندھیے اولی نے گوالیار سے سیدی نفیس کو چارسو روپے اور ۴۰ بیگہ زمین دی، اور گاوں انعام میں بحال نہیں رکھا، یہ واقعہ ۱۱۸۰ھ کا ہے۔

۱۱۹۰ھ میں پھر کارروائی جاری رہی۔ جنکوجی راو سندھیے ۱۲۳۵ میں ۱۱۸۰ھ کی سالانہ مقررہ رقم بحال رکھی۔

گوالیار سے انعام ملنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب مرہٹوں کے قبضہ میں مغلوں کے علاقے چلے گئے تو انھوں نے بعض جاگیریں بحال رکھیں۔ یہی حال عنبرپور کی جاگیر کا ہے۔ جب یہ موضع والی گوالیار سندھیے کے قبضے میں گیا تو عرصہ تک انعام بحال رہا۔ اس کے بعد رقم مقرر ہوئی اب گوالیار کے علاقے میں موضع نہیں ہے بلکہ علاقہ انگریزی میں ہے۔ گوالیار والوں نے بھی چند سالوں سے رقم بند کر دی ہے اس لیے اس کے خاندان کے لوگ جو اب تک جاگیردار کہلاتے ہیں پریشان ہیں ان کی جاگیر کی کارروائی کا سلسلہ طویل ہے، میں نے چند ضروری حوالے دے دیے ہیں۔

پینتیسواں باب

صورت و سیرت

(۱)

حلیہ و لباس

ملک عنبر کے حلیہ و لباس کے متعلق زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، حبشی نژاد ہونے سے اس کا حلیہ اور تصویر سے اس کا لباس ظاہر ہے سیاہ فام تھا، میانہ قد، متوسط تن، گٹھیلا جسم، گھونگر والے بال، بڑی آنکھیں، بڑی اور اونچی ناک باریک مونچھیں ون اور ٹھوڑی پر چند بال تھے۔

کہا جاتا ہے کہ مغلیہ وضع کا لباس استعمال کرتا تھا یہ صحیح نہیں وہ دکنی سلطنتوں کے امیروں کا لباس پہنتا تھا سفید دستار

جسم پر سفید مہین کپڑے کا انگرکھا، نیمہ جامہ ایک لمبا سفید رومال جو بغل سے لے کر گلے میں حمایل رہتا تھا۔ کمر میں پٹکا، پاؤں میں موزے سرخ رنگ کا جوتہ، ہاتھ میں تلوار نیام پر سرخ مخملی غلاف کمر میں خنجر جس پر قیمتی مخملی غلاف تھا۔ یہ اس کا لباس ہے۔

(۲)

عادات و اخلاق

ملک عنبر طبعاً نیک دل انصاف پسند اور دردمند تھا۔ ملک و رعایا کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آتا تھا۔ عدل و انصاف کیلئے شہر شہر قاضی مقرر کئے تھے رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے انتظامی محکمہ قایم کیا تھا عام فلاح و بہبودی کی خاطر گوناگوں تدابیر اختیار کی تھیں۔

دیانت دار اور وفاشعار تھا۔ آقا کے ننگ و ناموس اور عزت و آبرو پر جان دیتا تھا۔ مواقع تھے اور کوئی امر مانع نہ تھا کہ خود بادشاہی تاج پہنتا اور نظام شاہ کو جو بے جان تصویر تھی تخت سے اتار دیتا، لیکن اخیر عمر تک اس کی نیت سلامت رہی

وفاشعاری اور جاں نثاری کی راہ سے ہرگز قدم نہیں ہٹایا احسان فراموش نہ تھا، اپنے قدیم آقا چنگیز خاں کی یادگار میں اپنے ایک بیٹے کو چنگیز خاں کا خطاب دیا تھا۔ گولکنڈہ اور بیجاپور میں نوکر تھا لیکن جب وہاں سے نکلا تو اس بات پر کہ درخواست کا لحاظ نہیں کیا گیا خود دار اور عبرت مند تھا، دلیر اور شجاع تھا جنگوں میں خود فوجوں کو کمان کرتا تھا۔ کئی مرتبہ کاری زخم کھائے ایک دفعہ پینسٹھ برس کی عمر میں راجپوتوں کی ایک جماعت کے ہاتھوں سخت مجروح ہوا لیکن کبھی اس کی ہمت میں فرق نہ آیا ۸۰ برس کی عمر تک حوصلہ میں وسعت اور ہمت میں بلندی تھی صحت مند اور سخت کوش تھا مسلسل جاں فشانیوں اور انتہائی ... کے ساتھ زبردست سے زبردست معرکے کئے اور عمر بھر رنج و تعب برداشت کئے لیکن کہیں یہ نہیں سنا کہ اس کی صحت میں خلل آیا یا ضعف پیری نے اس کو مضمحل کر دیا فراخ حوصلہ تھا ہر طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ لیکن کبھی ہمت نہ ہاری اور برابر مردانہ وار مقابلے کرتا رہا۔ حالات اور واقعات نے بعض اوقات اس کو مجبور کر دیا ایسے وقت اس نے مصلحت سے کام لیا۔ اور کبھی بے جا غم و تہور کو کام میں نہیں لایا مصلحت شناس، رمز آشنا اور مدبر تھا۔

عادل شاہوں قطب شاہوں اور الوالعزم مغلوں سے مقابلے کرتا رہا اور تدبیر و فراست سے اپنی حکومت کی بنیادیں کبھو کبھی نہیں ہونے دیں۔ زمانہ کا نبض شناس تھا۔ غفلت اور سوء تدبیری سے کبھی نقصان نہیں اٹھایا حکمت عملی سے آشنا اور اصول سیاست سے آگاہ تھا معمولی درجہ سے ترقی کرتا گیا اس لیے زمانہ کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھا۔ جس ملک میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوتا تھا وہاں کے باشندوں کے ساتھ عدل و انصاف اور لطف و کرم کا سلوک کرتا تھا جنگ کے اسیروں سے لطف آمیز برتاؤ کرتا تھا۔ دشمن کے زخمی سپاہیوں کا بطور خاص علاج کراتا تھا۔

سخی اور فیاض تھا شبلی اور محبی کا بیان ہے کہ لوگ اور خصوصاً علما فضلا اور مستحقین دور دور سے آکر اس کا در کھٹکھٹاتے تھے اور اپنی مرادیں پاتے تھے۔ عالم اور پنڈتوں کی قدر کرتا تھا۔ اس کے دربار میں عربی شعرا کا جمگھٹا رہتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر و شاعری کے ذوق سے ناآشنا نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو پرآشوب زمانہ میں کسی شاعر کو پاس پھٹکنے نہ دیتا یہ محض اس کے ذوق کا نتیجہ ہے۔ طبیعت میں جدت

اور اختراع کا مادہ تھا۔ نئی نئی تجویزیں اور تدبیریں سوچتا تھا۔
فن تعمیر کا ماہر تھا اس کا ثبوت اوس کی نہر آبرسانی کی تعمیر
ہے۔ جو ہندوستان میں سب سے پہلی اور آخری تنظیم آبرسانی خیال
کی جاتی ہے۔ تعمیر میں بڑی نتیجہ خیز جدتیں کرتا تھا عمارتیں بنوانے
کا خاص شوق تھا۔ صنعت و حرفت اور خصوصاً زراعت کے فروغ
کا بطور خاص خیال رکھتا تھا۔ اچھی اور خوبصورت چیزوں کا ذوق
تھا۔ اعلیٰ قسم کے گھوڑوں کا بڑا شایق تھا اور ان کے بڑے
موزوں نام رکھتا تھا چنانچہ بادشاہ نامے میں لکھا ہے کہ جب
شاہجہاں برہان پور میں تھا تو ملک عنبر نے راجہ بکرماجیت کو ایک گھوڑا
دیا تھا جس کا نام فتح لشکر تھا اس کے متعلق لکھا ہے۔

اسپے کمیت فام ابر خرام فتح لشکر نام بود کہ، در نکوئی
اعضاء بکلانی و پہنائی و تنومندی بہتر ازیں بود۔

اگر کوئی دشمن ہو اور یہ سمجھے کہ وہ خطرناک کینہ ور مفسد اور قابل
انتقام ہے تو اس کو تہ تیغ کرنے میں دریغ بھی نہیں کرتا تھا۔
مستقل مزاج راسخ العزم اور ثابت قدم تھا۔ جس کام میں
ہاتھ ڈالتا تھا اس کو پورا کر کے چھوڑتا تھا۔
مہمان اور اجنبیوں کے ساتھ عزت و تعظیم سے پیش آتا تھا۔

چنانچہ ٹامس رو نے لکھا ہے کہ جب وہ اس سے ملا تو بہت عزت آمیز برتاؤ کیا اہل و عیال سے دلی محبت رکھتا تھا۔

(٣)

مذہب اور رواداری

در خدمت رسول خدا یک بلال بود
بعد از ہزار سال ملک عنبر آمدہ

ملک عنبر نے چونکہ نشو و نما اور تربیت شہر مکہ میں پائی تھی جو اہل اسلام کے جذب قلوب کا مقدس مرکز ہے اور چونکہ اس کی پرورش مکہ کے سربرآوردہ قاضی حسین کی آغوش مذہب آموز میں ہوئی تھی۔ اس نے لازمی طور پر اس کے حریم دل میں مذہب کی سچی محبت کی شمع فروزاں تھی جس میں تادم آخر ہرگز کاہش نہ آنے پائی۔

وہ مذہبی اعتقاد کی رو سے اہل سنن سے تھا سادات سے اس کو بہت عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سادات سے خاص طور پر لطف و احسان کا سلوک کرتا تھا۔ اہل علم اور مشائخ

اور صوفیاء کرام سے وہ انتہائی بذل نوال کا برتاؤ کرتا تھا مستحقوں
اور معذوروں کے لیے اس کا دست سخا بہت دراز تھا۔ خیرات
وصدقہ میں ہرگز دریغ روا نہ رکھتا تھا۔ وہ ہر سال حضر موت بہت
مال و دولت اور کپڑے بھیجتا تھا۔ جو سادات مشائخ اور فقراء
پر تقسیم کئے جاتے تھے اور وہ ان کو سال بھر کے لئے کافی ہوتے
تھے حضر موت کے مشہور شہر تریم کے سادات کے ساتھ خصوصاً
غیر معمولی عنایت و اکرام سے پیش آتا تھا۔ اس نے شہر تریم میں
قرآن پاک کی چار جلدیں اور مکہ مبارکہ اور مدینہ شریف میں ایک ایک
وقف کی تھی، حرمین شریفین میں زمینیں خرید کر وقف کر دی تھیں کہ لوگ
یہاں قرآن خوانی کریں اور تلاوت کا ثواب اس کو بخشیں۔
ان واقعات کے ذکر سے مغالطہ کا اندیشہ ہے کہ کہیں اس کو
ضعیف الاعتقاد اور تنگ نظر مذہب پرست نہ کہا جا سکے۔ وہ نہ صرف
ضروری و ناگزیر خیرات و مبرات میں بے ساختہ و مطابقہ جود و سخا اور
بذل و احسان کا ثبوت دیتا تھا۔ بلکہ مذہبی تعلیم و تدریس کی بھی بڑی
حد تک اشاعت کرتا تھا۔ وہ حبشی غلاموں کو بڑی گراں قیمت پہ
خریدتا تھا۔ دو ہزار کے قریب اس نے غلام خریدے تھے جس
غلام کو خریدتا تھا اس کو پہلے قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے

بعد فوجی اور پھر سیاست و تدبر کی غلام کے استحقاق و قابلیت کے لحاظ سے مرتبہ عطا کیا جاتا تھا۔ انصرام امور دین کے لئے ایک جماعت مقرر کی تھی۔ ہر جماعت کا ایک فقیہ ہوتا تھا۔ جو اس جماعت کو امور دین کی تعلیم دیتا تھا وہ ان کا امام ہوتا تھا۔ جس کے پیچھے وہ نماز ادا کرتے تھے۔ موذن اور جماعت قرآن کا درس لیتے تھے ایک اور جماعت تھی جو جمعہ اور دوشنبہ کو ذکر الٰہی میں مشغول ہوتی۔ اور احیاء لیل کرتی تھی اس کے پاس ایک خاص دفتر تھا جس میں ان تمام لوگوں کے نام درج تھے جن کو وہ وظیفہ دیتا تھا۔ اور ان لوگوں کے نام مندرج تھے جو مالی اغراض کے لئے اس کے دربار کا قصد رکھتے تھے۔

اس نے دکن کے مختلف شہروں میں عالی شان مسجدیں اور عبادت گاہیں تعمیر کروائیں اور تزکیہ نفس کے لئے، خانقاہیں بنوائیں مذہبی عالموں اور [illegible] کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ قطع نظر اس کے [illegible] بھی [illegible] تھی، صالح اور پابند شرع تھا۔ [illegible] سے [illegible] کہ لوگ اس کو اس کی زندگی [illegible] صاحب [illegible] سمجھنے لگے تھے۔ [illegible] ہونا ہے کہ لوگ اس [illegible]

خرق عادت اور کرامت بھی منسوب کرتے تھے۔

" ملک عنبر نے ملک و سپاہ کا انتظام قرار واقعی کیا تھا۔ اور جب میر جملہ دوبارہ مہم دکن پر مامور ہوا تو اس سے نبرد آزما ہوا، زخم کھائے مغل بادشاہی افواج کو زبدہ تک ہزیمت پہنچائی اور اپنے دار المقر یعنی دولت آباد مراجعت کی۔ مہم بیجاپور پیش نظر تھی ہمت کر کے موضع مہاسور تک کہ جو شنبھو مہادیو کا مکان ہے، ساٹھ ہزار سوار کے ساتھ تاخت کی۔ دوسری طرف سے مرار جگ دیو شاہجی شرزہ خاں وغیرھم سردار اسی ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ مقابلے کو آئے۔ ملک عنبر وہاں سے واگرداں ہوا اور موضع بودہ گاؤں اور تلے گاؤں تک گھوڑے کی باگ نہ تھامی، دریائے بھیما طغیانی پر تھا۔ اس کے کنارے کھڑا ہو کر جناب باری میں التجا کی، دریا پایاب ہو گیا اور اس کا لشکر عبور کر گیا، جوں ہی اس کے لشکر نے عبور کیا دریا بدستور سابق موج زن طغیانی ہو گیا۔ اس اثنا میں افواج بیجاپور جو ملک عنبر کے تعاقب میں بانشند کوب آ رہی تھیں کنارہ دریا پہنچیں حالت کا مشاہدہ کیا کہ ملک عنبر نے اسی ساعت عبور کیا اور آن کی آن میں دریا بر سر طغیانی ہو گیا۔

حیرت زدہ ہو کر آدمیوں کو ملک عنبر کی خدمت میں بھیجا اور
پیغام دیا کہ فضل خدا تمہارے شامل حال ہے۔ تمہارا خرق عادت
ہم نے دریافت کرلیا ہے۔ مصالحت چاہتے ہیں"[1]

جس طرح اس کی زندگی میں خرق عادت اور کرامت اس سے منسوب کی گئی ہے۔ اسی طرح اب تک اس کو صاحب ولایت سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی قبر کا بڑا احترام کیا جاتا ہے عنبرا پور میں جہاں اس کا انتقال ہوا تھا ۲۴ شعبان کو ہر سال عرس ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں پر بھی اس کے اوصاف و شمائل کا خاص اثر ہوا تھا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس نے اس کے مزار کے روغن چراغ و گل کے لئے ایک موضع جاگیر میں دیا تھا۔ جو تقریباً اب تک اس کی اولاد کے قبضہ اور تصرف میں تھا۔ شاہ جہاں کے اجداد ملک عنبر کو اپنا سخت ترین دشمن سمجھتے رہے ہیں اور در حقیقت وہ مغلوں کی دو پشتوں سے لڑتا رہا۔ اور

---

[1] بساط الغنائم صـ۲۱ تـ۲۳ گذشت ابواب میں جہاں مہم بیجاپور کا ذکر ہے اس واقعہ کا اظہار نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس سنہ میں اس مہم کا وقوع بتایا جاتا ہے وہ دوسری تاریخوں کی رو سے ملک عنبر کی وفات کے بعد کا ہے۔

فتح دکن کی دیرینہ آرزو پر پانی پھیر دیا تھا لیکن اس کے اوصاف ایسے تھے جس نے شاہ جہاں کے دل پر کبھی میل نہیں آنے دیا۔

یہ بھی سنا جاتا ہے کہ جب کوئی سنگین مجرم اس کے مزار کے احاطہ میں پناہ گزین ہو جاتا تھا تو بلحاظ احترام مزار قانون ملک اس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ اور تعزیرات کی حد اس پر عاید نہیں ہوتی تھی ملک عنبر کے مذہبی اعتقادات اور خیالات معلوم کرنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے، کہ غیر مذہب والوں کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ تھا، اس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ یہاں صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ وہ اسلام کا سچا پیرو اور اس کے احکام و تعلیمات کا حقیقی فرماں بردار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بے تعصبی اور رواداری میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہندو علما کے لئے کھڑکی میں ایک خاص مکان چینیا خانہ بنایا تھا، جس میں پنڈت اور علما علمی کاموں میں آزادی سے مشغول رہتے تھے، ہندو مشائخوں کو انعام اور جاگیریں دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے اس فرمان سے جو اس کتاب میں درج ہے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے دو مقدس برہمنوں کو جاگیریں دیں، برہمنوں کو سرکاری نوکریاں دیں، یوں دیکھئے تو مالگزاری کا پورا نظم برہمنوں کے ہاتھ میں تھا، مرہٹوں کو سپاہی بنا دیا، ان کے ساتھ

مہربانی کا سلوک کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ مرہٹوں کے سردار اور فوجی عہدہ دار اس کی نوکری بڑی جانثاری سے کرتے تھے۔ اگر ان کی کمزوری سے شکست بھی ہو جائے تو وہ کبھی محاسبہ نہیں کرتا تھا چنانچہ بعض مرہٹہ سرداروں نے نمک حرامی کی اور مغلوں سے جا ملے لیکن اس پر بھی دوسرے امراء کے ساتھ اس کا طرز عمل سختی غیر معمولی نگرانی یا بے اعتمادی کا نہ تھا اس کو اپنے سپاہیوں پر پورا بھروسہ تھا۔

چھبیسواں باب

ملک عنبر کی تاریخی اہمیت

گزشتہ اوراق میں ہم نے ملک عنبر کو ایک جلیل القدر صاحب تدبیر حاکم، اور اولوالعزم سپہ سالار کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ہمارے نقطہ نظر کو طرفداری پر محمول کیا جائے، اس لئے یہاں ہم اپنے بیان کی تصدیق اور تائید ان آرا سے کرانا چاہتے ہیں جن میں اکثر اس کے مخالفوں اور رقیبوں کی ہیں۔ اس کے بعد ہم اس کی تاریخی اہمیت پر بحث کریں گے۔

"عنبر سپہ گری، سرداری، شجاعت، تدبیر اور کارگزاری میں عدیل و نظیر نہیں رکھتا تھا، طریق قزاقی سے کہ جس کو اہل دکن کی اصطلاح میں برگے گری کہتے ہیں خوب واقف تھا۔ اس ملک کے اوباش کو جس طرح سے چاہئے ضبط میں رکھا تھا، آخر عمر تک اسی کا

پائے عزیمت جگہ سے نہ ہٹنے پایا اور اس کی زندگی عزت سے بسر ہوئی۔ کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گزرا کہ کوئی حبشی غلام اس مرتبہ کو پہنچا ہو"

(اقبال نامہ جہانگیری)

"عنبر فن سپاہ گری، سرداری اور ضوابط تدبیر میں اپنا عدیل و نظیر نہیں رکھتا تھا، اس ملک کے اوباش کو جس طرح کہ چاہیئے ضبط میں رکھا تھا۔ آخر عمر تک اپنی زندگی عزت سے گزاری"

(جہانگیر بادشاہ)

"ملک عنبر جو دراصل دربار بیجاپور کا غلام تھا..... جوہر ذاتی اور شجاعت سے تمام حبشیوں اور دکنیوں پر غالب آ گیا تھا۔ اور ملک داری کی تدبیر کو کام میں لا کر وکیل السلطنت بن گیا تھا"

(منتخب اللباب)

"ملک عنبر حبشی (عادل شاہی دربار کا) غلام تھا اس میں کیاست و درایت کے ساتھ تہور اور شجاعت بھی جمع تھے"

(بساتین سلاطین)

عنبر ... ابطال رجال اور خوبان روزگار سے تھا.......

فن سپاہ گری، سرداری۔ قواعد درست اندیشی اور کارگزاری میں

یگانہ اور یکتا تھا۔"

(مآثر الامراء)

"ملک عنبر...... ایسا شخص تھا جس کی شہرت عدل و انصاف کی وجہ سے دکن میں ضرب المثل ہو گئی تھی۔"

(فری ڈرک اگسٹس)

معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر کی حکومت مدبرانہ اور قابلانہ تھی، خاص کر مالگزاری کے معاملات میں.......... اس کا نام ملک کی ترقی کے بانی کی حیثیت سے عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

(جے۔ ڈی، بی گریبل)

"ملک عنبر پختہ قابلیتوں اور کارگردی کا شخص تھا۔ اس نے مالگزاری کا نیا طریقہ رائج کیا تھا، جس سے اس کی حکومت فوراً مالدار اور ہر دلعزیز ہو گئی تھی۔"

(۹)

"ملک عنبر اپنی وفات (۱۶۲۶ء) تک دکن کا مالک رہا جہاں اس نے اپنا طریقہ مالگزاری رائج کیا، جس نے اس کو اہل دکن کے ہر گھر میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔"

(۹)

"سدی عنبر...... جو کبھی ایک غلام تھا رہنمائی اور تدبر کی قابلیتوں سے سلطنت احمد نگر کا مختار بن گیا تھا وہ درحقیقت نظام شاہی مملکت کا حکمراں تھا"

(گلمپسز آف دی نظام منز ڈمینس)

"ملک عنبر ایک سپاہی اور مدبر تھا۔ نظام شاہی عہد میں اس نے مالگزاری میں جو جو اصلاحیں کیں ان سے بھی شاذ و نادر ہی لوگ واقف ہیں حالانکہ اس کے نام کی اسی طرح شہرت ہونی چاہئے جیسی کہ ٹوڈرمل کی ہے۔

(سر اکبر حیدری)

اولوالعزم سپہ سالار، مدبر حکمراں اور شریف خصلت انسان ہونے کے علاوہ ملک عنبر تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے، وہ ملکی حکومت کا آخری علمبردار تھا اس کی وفات پر دکن سے حقیقی معنوں میں ہندو مسلمانوں دونوں کی متفقہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کی حکومت میں جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا ہندو مسلمان دونوں بدوش تھے تفریق و امتیاز نام کو نہ تھا فوجی اور ملکی شعبوں میں دونوں قوموں کے برابر حقوق تھے اس کے بعد یہ حکومت رخصت ہو گئی سلطنت احمد نگر کی حیثیت بڑی حد تک مقدر اعلیٰ کی تھی ملک عنبر کے بعد

ہی وہ مٹ گئی اور اس کے بعد دکن کی دوسری حکومتیں بھی فنا ہو گئیں
مغلوں کی سلطنت میں انحطاط ہوا۔ ان کی حکومت اور مرکزیت
کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں نے میدان صاف دیکھا
تو تاجدار بن بیٹھے، ملک گیری اور بات ہے اور ملک داری اور
فتح کرنا آسان ہے کامیاب حکومت کرنا مشکل ہے مرہٹوں نے
فتح تو کر لیا لیکن حکومت کی باگ نہ تھام سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دکن
دوسری قوموں کی تجارتی اور سیاسی قوتوں کی جولانگاہ بن گیا۔
غیر اقوام کے قدم یہیں سے جمنا شروع ہوئے، ان کی تجارت
نے حکومت کا قالب یہیں بدلنا شروع کیا بیوپار کے بہی
کھاتے راج کے دفتروں میں یہیں سے تبدیل ہونے لگے
مختصر یہ کہ اب تک دکن میں جو ملکی سیاسی قوت اور اقتدار
کارفرما تھا وہ فنا ہو گیا۔ اور غیر ملکی قوت کا تسلط ہو گیا۔ جس کا اثر
رفتہ رفتہ تمام ہندوستان پر پڑا اور عملاً دکن کے ساتھ شمالی
ہند کی گردن میں غیر ملکی حکومت کا جوا پڑ گیا۔
اس حیثیت سے ملک عنبر کی شخصیت تاریخ میں خاص درجہ
رکھتی ہے۔
تاریخی اہمیت سے قطع نظر اس کی حیات کا مطالعہ اور ...

بھی ضروری ہے کہ وہ دلیری وشجاعت، عزم واستقلال دیانت داری ووفا شعاری اور تدبر وسیاست کا ایسا نمونہ ہے جو اس کو دنیا کے زبردست حکمرانوں کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں اور اس کی حیات اور سیرت عزم و استقلال کا ایسا سبق دیتی ہے جو پہلو میں امنگ کی گدگدی پیدا کرتا ہے اور دل اعلیٰ جذبات سے معمور، یہ بہت بڑی بات ہے اور اسی میں ملک عنبر کی عظمت کا راز ہے۔

ملنے کا پتہ :- دکن بک اینڈ اسٹیشنری مارٹ عابد بلڈنگ
حیدرآباد دکن